قرآن میں نظامِ زکوۃ

از

معارف القرآن

مصنفہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

جس میں

زکوۃ کی حقیقت، تاریخ، اہمیت و فرضیت، اموال زکوۃ، نصاب زکوۃ، مقدار زکوۃ، نظامِ زکوۃ، مصارف زکوۃ، عاملین صدقہ مولفۃ القلوب اور فی سبیل اللہ کی بحث۔ تملیک کی شرط جن کاموں میں زکوۃ نہیں صرف ہو سکتی ان کا بیان

اور اس کے بعد عام مسائل زکوۃ۔ از تالیف مولانا محمد رفیع صاحب مفصل درج ہیں

ناشر

ادارۃ المعارف۔ چوک لسبیلہ۔ کراچی ۵

قرآن میں نظام زکوٰۃ — از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ
احکام زکوٰۃ — از مولانا محمد رفیع صاحب مدرس دار العلوم کراچی

طبع اول ——— فروری سنہ ۶۳ء
صفحات ——— ۱۱۵
قیمت ——— ۱/۵۰

مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

ناشر

ادارۃ المعارف کراچی ۵

ملنے کا پتے

دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

و

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

فہرست مضامین

قرآن میں نظام زکوٰۃ و احکام زکوٰۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ زنۃ عرشہ ومداد کلماتہ ورضا نفسہ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ وصفوۃ رسلہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ۔

سب سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اسلام میں نظام زکوٰۃ یا قانون زکوٰۃ کا نام جس مستقل کتاب اور مفصل مباحث کو چاہتا ہے۔ زیر نظر کتاب اس انداز کی نہیں۔ کیونکہ یہ اس موضوع پر کوئی مستقل تصنیف نہیں بلکہ معارف القرآن کے نام سے جو میرا درس قرآن ہفتہ وار جمعہ کے روز ریڈیو پاکستان سے نشر ہوتا ہے اس کے چھ درس ہیں جو سورہ توبہ کی دو آیتوں کے متعلق نشر ہوئے ہیں۔ ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں زکوٰۃ کے متعلق اصولی مباحث خود قرآن کریم کے الفاظ میں ضروری حد تک مکمل آگئے ہیں اور بہت سی ایسی الجھنوں کا بھی اس میں واضح حل آگیا جو اکثر تعلیم یافتہ حضرات کو مطالعہ قرآن سے پیش آتی ہیں بلکہ بعض علماء کو بھی ان میں شبہات ہو جاتے ہیں۔ جب یہ درس ریڈیو پاکستان سے نشر ہوئے تو بعض دوستوں نے اس کی مستقل اشاعت کی فرمائش کی اس لئے ان کو نظر ثانی اور کہیں کہیں ترمیم کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس مجموعہ کو اسلام کا مکمل نظام زکوٰۃ یا قانونی زکوٰۃ تو نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس

موضوع کے اہم مباحث کا ایک اچھا خاصہ مجموعہ ضرور ہے۔ جو حضرات اسلامی نظام زکوٰۃ کو سمجھنا چاہیں یا اس موضوع پر کچھ لکھنا چاہیں اُن کے لئے اس میں انشاء اللہ تعالیٰ کافی روشنی ملے گی۔

اور ایک حیثیت سے بہ نسبت مستقل تصنیف کے اس کی افادیت زیادہ ہے کہ مستقل تصنیف تو مصنف کی فہم (صوابدید) کا نتیجہ ہوتی ہے اور اس میں ایسا نہیں بلکہ الفاظ قرآن کریم کے تابع جس قدر مسائل و فوائد حاصل ہوئے صرف وہی لکھے گئے ہیں۔ یہ دونوں آیتیں سورہ توبہ کی ہیں ایک میں مصارف زکوٰۃ کا بیان اور دوسری میں انتظام زکوٰۃ اسلامی حکومت کے فرائض میں داخل ہونے کا ذکر ہے اور اس کے ضمن میں زکوٰۃ کی حقیقت اور تاریخ بھی آجاتی ہے اس لئے اس دوسری آیت کی تفسیر کو پہلے لکھ کر مصارف زکوٰۃ کی آیت کو بعد میں لیا گیا ہے۔

جب احباب کے تقاضا سے اس مجموعہ کی اشاعت کا ارادہ ہوا۔ تو یہ خیال آیا کہ یہ مجموعہ ایسی دو آیتوں کی تفسیر ہے جن میں زکوٰۃ کے اصولی مباحث آئے ہیں۔ اہل علم اور تعلیم یافتہ حضرات کے لئے نظری اور فکری اعتبار سے تو یہ بہت مفید ہیں۔ لیکن عمل کرنے والوں کو جن جزئیات و مسائل کی عام طور پر ضرورت پڑتی ہے وہ سب اس میں مذکور نہیں۔ اُن کے فائدہ کے لئے مسائل زکوٰۃ کا ایک مجموعہ اس کے ساتھ شامل کرنا ضروری معلوم ہوا۔ اپنے ضعف اور ہجوم مشاغل کے سبب یہ کام برخوردار مولوی محمد رفیع سلمہ مدرس دارالعلوم کراچی کے سپرد کیا۔ عزیز موصوف نے ماشاء اللہ چند روز

میں بہت مناسب انداز سے زکوٰۃ کے احکام و مسائل کا یہ مجموعہ تیار کر دیا۔ ازراہِ اللہ تعالیٰ علماء عملاً متقبلاً اس کو احقر نے پورا دیکھ کر جا بجا اصلاح و ترمیم کے بعد اس کتاب کا جزء بنانا مفید سمجھا۔ اس طرح یہ کتاب زکوٰۃ کے اصولی اور فروعی تمام ضروری مباحث اور مسائل پر حاوی ہوگئی جو قرآن میں قانون زکوٰۃ کے نام سے شائع کی جاتی ہے۔ واللہ الموفق والمعین وبتوفیقہ فی کل شیئٍ استعین

ربنا تقبّل منا انک انت السمیع العلیم

ایک لطیفہ اس کتاب کی اشاعت کے وقت یہ پیش آیا کہ آج ماہ شعبان ۱۳۸۲ھ کی اکیس تاریخ ہے جس میں احقر کی عمر کا بحساب قمری اونسترواں سال شروع ہو رہا ہے۔ عمر کی اڑسٹھ منزلیں کس طرح غفلت میں طے ہوئی اس کی حسرت اور باقیماندہ لمحات عمر کی فکر نے ایک عجیب عالم سامنے کر دیا۔ اللہ تعالیٰ گذشتہ کی مغفرت اور آئندہ اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمادیں۔ وہو المستعان وعلیہ التکلان۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۲۱ شعبان ۱۳۸۲ھ

تعارف

معارف القرآن

یہ وہ تفسیر ہے جو تقریباً دس سال سے ہفتہ وار جمعہ کے روز ریڈیو پاکستان سے نشر ہوتی ہے۔ اس میں خاص ایسے مضامین کا انتخاب ہوتا ہے جو عام فہم بھی ہوں اور عام مسلمانوں کی ضرورت بھی اُس سے متعلق ہو۔ اس وقت گیارھویں پارہ تک بحمد اللہ یہ تفسیر پہونچ چکی ہے۔ بہت سے مسلمانوں کا تقاضا ہے کہ اس کو کتابی صورت میں جلد شائع کیا جائے۔ مگر اُس کے لئے اوّل تو مصنف کی نظرثانی اور انتخاب مضامین کی وجہ سے جو آیات چھوٹ گئی ہیں اُن کی تکمیل ضرور ہے پھر اس کے طباعت کے مصارف کا انتظام بھی آسان نہیں۔ اللہ کے نام پر نظرثانی کا سلسلہ تو شروع کر دیا ہے اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو یہ سب مراحل آسان ہو جائیں گے اس وقت مباحث زکوٰۃ کے متعلق اس میں سے صرف دو آیتوں کی تفسیر شائع کی جاتی ہے۔

زکوٰۃ کے متعلق دو آیتوں کی تفسیر

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ط ان صلوتك سکن لھم ط واللہ سمیع علیم

سورہ توبہ - ۱۰۳

ترجمہ - آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک صاف کر دیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں خوب جانتے ہیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کی زکوٰۃ کو باقاعدہ اسلامی حکومت کی تحویل میں دینے کا قانون نازل ہوا ہے۔

زکوٰۃ ایک ایسا مالی فریضہ اور عبادت ہے جو پچھلے تمام انبیاء اور اُن کی شریعتوں میں بھی ایک دینی فریضہ کی حیثیت سے جاری رہا ہے نصاب زکوٰۃ۔ مقدار زکوٰۃ۔ مصرف زکوٰۃ کی صورتیں مختلف رہی ہیں مگر اللہ کی راہ میں اپنے مال کا کچھ حصہ خرچ کرنے کی قدر مشترک سب میں یکساں ہے۔

شریعت اسلام میں بھی صحیح یہی ہے کہ نماز کے ساتھ ساتھ ہی زکوٰۃ بھی فرض ہوئی ہے۔ پورے قرآن میں اقیموا الصلوٰۃ کے ساتھ آتوا الزکوٰۃ کا جوڑ بھی یہی بتلاتا ہے خصوصاً اُن سورتوں میں جو قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ان میں بھی نماز کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا حکم موجود ہے سورہ مزمل

جو نزول قرآن کی بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ہے اس میں بھی اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ موجود ہے۔

البتہ زکوٰۃ کے تفصیلی احکام نازل ہونے سے قبل غالباً قانون زکوٰۃ یہ تھا کہ انسان کے پاس جو کچھ اپنی ضروریات سے بچ جائے وہ سب صدقہ کردے جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت (۲۱۹) میں ہے کہ صحابہ کرام نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ ہم اللہ کی راہ میں کیا اور کس قدر خرچ کیا کریں تو جواب میں قل العفو فرمایا گیا یعنی جو کچھ تمہاری ضرورتوں سے بچ رہے وہ سب صدقہ کردیا کرو۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ زکوٰۃ کے تفصیلی احکام نازل ہونے سے پہلے صحابہ کرام کی یہی عادت تھی کہ جو کچھ کماتے اس میں اپنی ضروریات سے جو کچھ بھی بچ رہتا وہ سب صدقہ کردیتے تھے۔ اور ہر شخص اپنی اپنی زکوٰۃ خود ادا کرتا تھا۔ سورہ توبہ کی آیت مذکورہ نازل ہونے کے بعد زکوٰۃ وصول کرنا اور اس کے مصرف پر خرچ کرنا اسلامی حکومت کا فریضہ قرار دیا گیا۔

بعض حضرات مفسرین نے اس آیت کے نزول کا ایک خاص واقعہ لکھا ہے۔

مگر جمہور مفسرین نے صحیح اس کو قرار دیا ہے کہ یہ ایک مستقل حکم ہے جس کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے اموال کی زکوٰۃ و صدقات جمع کرنے اور پھر قرآن کے بتلاتے ہوئے مصارف میں خرچ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ تفسیر قرطبی احکام القرآن جصاص۔ مظہری وغیرہ میں

اسی کو ترجیح دی گئی ہے۔ اور قرطبی اور جصاص نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اگر اس آیت کا شان نزول وہ خاص واقعہ ہی قرار دیا جائے جس کا ذکر اوپر آیا ہے تو پھر بھی اصول قرآنی کی رو سے یہ حکم عام ہی رہے گا۔ اور قیامت تک کے مسلمانوں پر حاوی ہوگا۔ کیونکہ قرآن کریم کے بیشتر احکام خاص خاص واقعات میں نازل ہوئے مگر ان کا دائرہ عمل کسی کے نزدیک اس خاصہ واقعہ تک محدود نہیں ہوتا بلکہ جب تک کوئی دلیل تخصیص کی نہ ہو یہ حکم تمام مسلمانوں کے لئے عام اور شامل ہی قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پوری امّت محمدیہ کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس آیت میں اگرچہ خطاب خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ مگر یہ حکم نہ آپ کی ساتھ مخصوص ہے اور نہ آپ کے زمانہ کے ساتھ محدود بلکہ ہر وہ شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام مسلمانوں کا امیر ہوگا۔ اس حکم کا مخاطب اور مامور ہوگا اس کے فرائض میں داخل ہوگا کہ مسلمانوں کی زکوٰۃ و صدقات کے وصول کرنے اور مصرف پر خرچ کرنے کا انتظام کرے۔

صدیق اکبرؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں جو مانعین زکوٰۃ پر جہاد کرنے کا واقعہ پیش آیا اس میں بھی زکوٰۃ نہ دینے والے کچھ تو وہ لوگ تھے جو کھلم کھلا اسلام سے باغی اور مرتد ہو گئے تھے اور کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے تھے مگر زکوٰۃ نہ دینے کا یہ بہانہ کرتے تھے کہ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سے زکوٰۃ و صدقات وصول

کرنے کا حکم آپ کی حیات تک تھا ہم نے اس کی تعمیل کی آپ کی وفات کے بعد ابو بکرؓ کو کیا حق ہے کہ ہم سے زکوٰۃ صدقات طلب کریں اور شروع شروع میں حضرت عمرؓ کو ان پر جہاد کرنے سے اسی لئے تردد پیش آیا کہ یہ مسلمان ہیں ایک آیت کی آڑ لے کر زکوٰۃ سے بچنا چاہتے ہیں اس لئے ان کے ساتھ وہ معاملہ نہ کیا جائے جو عام مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے مگر صدیق اکبرؓ نے پورے جزم اور عزم کے ساتھ فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریگا ہم اُس پر جہاد کریں گے۔

اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ جو لوگ حکم زکوٰۃ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص قرار دینے اور آپ کے بعد اس کے ساقط ہو جانے کے قائل ہوئے وہ کل کو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نماز بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی کیونکہ قرآن کریم میں یہ آیت بھی آئی ہے اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس جس میں اقامت صلوٰۃ کے مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر جس طرح آیت نماز کا حکم پوری امت کے لئے عام ہے اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہونے کی غلط تاویل تاویل کرنے والوں کو کفر سے نہیں بچا سکتی اسی طرح آیت خذ من اموالھم کی یہ تاویل اُن کو کفر وارتداد سے نہیں بچائے گی۔ فاروق اعظمؓ نے اپنے تردد کی وجہ ایک حدیث سے پیش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک جہاد کرتا رہوں جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہیں اور جب وہ اس کلمہ کے

قائل ہوجائیں تو اپنی جان و مال کو محفوظ کرلیں گے۔ مگر یہ کہ حق کے موافق ان کی جان مال میں کوئی تصرف کرنا پڑے تو وہ اس کے منافی نہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے اس حدیث کو سن کر فرمایا کہ اس میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الا بحقہا کی قید کا لگا کر یہ بتلا دیا ہے کہ کسی حق کی بنیاد پر ان کے جان و مال میں تصرف کیا جا سکتا ہے اور جس طرح نماز حق جسمانی ہے اسی طرح زکوٰۃ حق مالی ہے اس لئے ہم اس حق کی مخالفت کی وجہ سے جہاد کرتے ہیں۔ اور ایک روایت میں اس حدیث کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ مجھے لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ کلمہ لا اللہ الا اللہ کے قائل نہ ہوجائیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کے پابند نہ ہوجائیں اس میں صدیق اکبرؓ کے قول کی تائید موجود ہے۔ اس پر فاروقؓ کو اطمینان ہوگیا اور باجماع صحابہ ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا گیا۔

امام قرطبی اور ابن العربی نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کا یہ استدلال کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا عہد مبارک کے لئے مخصوص تھی۔ استدلال باطل اور گمراہی اور دین کے ساتھ کھیل کرنے کا مرادف ہے۔

زکوٰۃ کی وصولیابی اور اسکے مصرف پر خرچ کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کو زکوٰۃ و صدقات کے متعلق ایک مستقل

آیت قرار دیا جائے یا سابقہ آیتوں کی طرح غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے مخلص مسلمانوں کے واقعہ سے متعلق کہا جائے بہر دو صورت اس آیت میں باتفاق آئمہ تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر اسلامی خلیفہ و امیر کے لئے یہ حکم ہے کہ مسلمانوں کی زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے اور اس کے مصرف پر خرچ کرنے کا انتظام کرے یہ اس کا فریضہ منصبی ہے۔ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اور ابن عربی نے احکام القرآن میں اس کی تصریح فرمائی ہے اور امام ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں اس آیت کا مفہوم یہی قرار دیا ہے کہ مسلمانوں کے صدقات و زکوٰۃ وغیرہ کے لینے کا حق مسلمانوں کے امام و امیر کو ہے۔

زکوٰۃ کا حکم مکی زندگی میں

اس سلسلہ کے واقعات و روایات میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت تو مکہ مکرمہ ہی میں نازل ہو چکی تھی کیونکہ سورہ مزمل جو قرآن کریم کی بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ہے اس میں زکوٰۃ کا حکم موجود ہے لیکن اس وقت زکوٰۃ کی ادائیگی ہر مسلمان بطور خود کرتا تھا۔ ہجرت کے بعد مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں بھی یہ صورت یوں ہی جاری رہی۔ ہر شخص اپنے زکوٰۃ و صدقات کے ادا کرنے کا خود ہی ذمہ دار تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع کرنے کا قانون نہ تھا۔ اور شاید اسی وجہ سے واقعہ تبوک کے پسماندہ حضرات کے صدقات قبول کرنے سے آنحضرت ص

نے انکار فرمایا۔ اور یہی واقعہ جو ۹ھ میں پیش آیا۔ اس قانون کے نازل ہونے کا سبب بن گیا کہ زکوٰۃ و صدقات کو وصول کرنے اور ان کے مصرف پر خرچ کرنے کی اصل ذمہ داری اسلامی حکومت پر ہے۔ عہد رسالت میں یہ ذمہ داری خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کی گئی اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء و امراء اسلام پر ڈالی گئی۔

یہ آیت احکام زکوٰۃ کے معاملہ میں بالکل مجمل ہے نہ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کس قسم کے اموال سے زکوٰۃ لی جائے نہ یہ کہ کس قدر مال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور نہ یہ کہ کس مال میں سے کس قدر حصہ مال کا بطور زکوٰۃ لیا جائے۔

مقدار زکوٰۃ کا تعیّن

البتہ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں اتنا بتلایا گیا ہے کہ مقدار زکوٰۃ اللہ تعالیٰ نے تعین فرمادی ہے یہ نہیں کہ جس کا جتنا جی چاہے دیدے۔ آیت یہ ہے وفی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم۔ جس میں دو باتیں بتلائی گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ زکوٰۃ فقراء و مساکین کا حق ہے۔ اُن پر کوئی اختیاری احسان نہیں ہے دوسرے یہ کہ اس حق کی مقدار اللہ تعالیٰ کے نزدیک متعین ہے کسی کو اس میں بڑھانے گھٹانے کا حق نہیں۔ مگر وہ مقدار متعین کیا ہے اس کا بیان اس آیت میں نہیں آیا۔

زکوٰۃ کی تفصیلات کا بیان تعلیمات رسول سے

جس طرح قرآن کریم نے نماز کے متعلق چند اصولی ہدایتیں دیکر اُس کی ادائیگی کی ساری تفصیلات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ فرمایا اور آپ نے بذریعہ وحی معلوم کرکے اپنے قول و فعل سے اُس کی پوری تفصیلات سمجھائیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کے معاملہ کی تمام تفصیلات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمائی گئیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا اتنا اہتمام فرمایا کہ زکوٰۃ کے نصاب اور مقدار پر زکوٰۃ کو زبانی بیان کردینا کافی نہ سمجھا بلکہ تحریر کراکر صحابہ کرام کے حوالہ فرمایا اور یہی تحریریں پوری امت کے لئے زکوٰۃ کا قانون بنیں۔

اور پھر نظام زکوٰۃ کو جاری فرمایا صدقہ وصول کرنے کے لئے عاملین صدقہ کا تقرر فرمایا جو تحریر کردہ ہدایات کے مطابق زکوٰۃ و صدقات وصول کرکے بیت المال میں جمع کرتے اور بیت المال سے اُن مصارف پر خرچ کیا جاتا تھا جو اسی سورہ توبہ کی ایک آیت میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ اور اس رسالہ میں اس آیت کے بعد اُس کا بیان آئے گا۔

زکوٰۃ کی تمام تفصیلات کے بیان کو تو حق تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ فرمایا لیکن زکوٰۃ کی اصل حقیقت اور اُس کے اصول کو خود قرآن ہی کے الفاظ میں واضح فرمادیا ہے جیسا کہ ابھی آیت حق معلوم کے حوالہ سے آپ نے یہ معلوم کرلیا ہے کہ زکوٰۃ کے نصاب اور مقادیر عنداللہ متعین

ہیں اور ان میں کسی زمانہ اور کسی حال میں کسی کو کمی بیشی کا حق حاصل نہیں اور زکوٰۃ کی اصل حقیقت کو اس آیت میں پوری طرح واضح فرمادیا کہ زکوٰۃ کوئی حاکمانہ ٹیکس نہیں۔ جیسے عام حکومتیں رعایا سے وصول کیا کرتی ہیں بلکہ یہ ایک عبادت اور صدقہ ہے جو انسان کو گناہوں سے پاک کرنے کے لئے جاری کیا گیا ہے۔

زکوٰۃ حکومت کا ٹیکس نہیں بلکہ عبادت ہے

قرآن کریم نے آیت مذکورہ میں خذ من اموالهم کے بعد جو ارشاد فرمایا صدقة تطهرهم وتزكيهم بها اس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ زکوٰۃ و صدقات کوئی حکومت کا ٹیکس نہیں۔ جو عام حکومتیں نظام حکومت چلانے کے لئے وصول کیا کرتی ہیں۔ بلکہ اس کا مقصد خود اصحاب اموال کو گناہوں سے پاک صاف کرنا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے سے درحقیقت دو فائدے ہوتے ہیں۔ ایک فائدہ خود صاحب مال کا ہے کہ اس کے ذریعہ وہ گناہوں سے اور مال کی حرص و محبت سے پیدا ہونے والی اخلاقی بیماریوں۔ کے جراثیم سے پاک صاف ہوجاتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ قوم کے اس ضعیف عنصر کی پرورش ہوتی ہے جو خود اپنی ضروریات مہیا کرنے سے مجبور یا قاصر ہے جیسے یتیم بچے۔ بیوہ عورتیں۔ اپاہج و معذور مرد و عورتیں اور عام فقراء و مساکین وغیرہ۔

لیکن قرآن حکیم نے لفظ تطہرھم بہا میں صرف پہلا فائدہ بیان کرنے پر اقتصار کر کے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ زکوٰۃ وصدقات کا اصل مقصد پہلا ہی فائدہ ہے دوسرا فائدہ اس سے ضمنی طور پر حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اگر بالفرض کسی جگہ یا کسی وقت کوئی یتیم بیوہ فقیر مسکین موجود نہ ہو جب بھی اصحاب اموال سے زکوٰۃ کا حکم ساقط نہ ہوگا۔ اس مضمون کی تائید پچھلی امتوں کی زکوٰۃ وصدقات کے طریقہ سے پوری وضاحت کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تصریحات احادیث کے مطابق پچھلی امتوں میں جو مال اللہ کے لئے نکالا جاتا تھا اس کا استعمال کسی کے لئے جائز نہ تھا بلکہ دستور یہ تھا کہ اس کو کسی علیحدہ جگہ پر رکھ دیا جاتا تھا اور آسمانی بجلی آکر اس کو جلا دیتی تھی یہی علامت تھی اس بات کی کہ یہ صدقہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا اور جہاں یہ آسمانی آگ نہ آتی تو صدقہ کے غیر مقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی پھر اس منحوس مال کو کوئی ہاتھ نہ لگاتا تھا۔

اس سے واضح ہو گیا کہ زکوٰۃ وصدقات کی اصل مشروعیت کسی کی حاجت روائی کے لئے نہیں بلکہ وہ ایک مالی حق اور عبادت ہے جیسے نماز روزہ جسمانی عبادت ہیں۔ یہ مالی عبادت ہے البتہ یہ امت مرحومہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ یہ مال جو فی سبیل اللہ نکالا گیا ہے اس امت کے فقراء ومساکین کے لئے اس کا استعمال جائز کر دیا گیا۔ جیسا کہ مسلم کی حدیث صحیح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ مجھے

دوسرے انبیاء پر چھ خصوصیتیں حاصل ہیں ان میں سے ایک یہ بھی فرمایا کہ میرے لیئے اموالِ غنیمت حلال کر دیئے گئے۔ (اس سے پہلی اُمتوں میں تمام اموالِ غنیمت آسمانی آگ سے جلائے جانے کا دستور تھا)۔ یہی معاملہ دوسرے صدقاتِ واجبہ زکوٰۃ۔ عشر وغیرہ کا ہے۔

اب مختصر طور پر یہ بتلایا جاتا ہے کہ اس حکم قرآنی کی تعمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح فرمائی اور اس کا کیا نظام بنایا۔

نظامِ زکوٰۃ

اس معاملہ میں کچھ اصولی ہدایات تو قرآن کریم کی مختلف آیات میں موجود ہیں۔ باقی سب تفصیلات بوحیٔ الٰہی و تعلیمات ربانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور اُن کے مطابق نظام زکوٰۃ جاری فرمایا۔ کیونکہ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں کلی طور پر یہ بتلا دیا ہے کہ احکام دین کے معاملہ میں جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ سب بذریعہ وحی معلوم کر کے فرماتے ہیں آیت کریمہ وماینطق عن الہوی ان ھو الا وحی یوحی کا یہی مطلب ہے شریعت اسلام کے بیشتر احکام میں یہی طریقہ رہا ہے کہ اصولی ہدایات قرآن میں صراحتہً آئی اور باقی تفصیلات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کی گئی وہ تفصیلات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے نہیں بلکہ بذریعہ وحی حق تعالیٰ کی طرف سے حاصل کر کے بیان فرمائی اسی اعتبار سے حدیث رسول کو قرآن کی تفسیر و شرح کہا جاتا ہے۔

زکوٰۃ کس مال میں واجب ہے کس میں نہیں

اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کے ہر ملک اور مال پر زکوٰۃ عائد نہیں فرمائی بلکہ چند قسم اموال کو زکوٰۃ کے لئے مخصوص فرمایا۔ مثلاً سونا۔ چاندی۔ اموال تجارت۔ زرعی زمین کی پیداوار اور معادن ورکاز یعنی وہ چیزیں جو زمین کی مختلف کانوں سے نکلتی ہیں یا کوئی قدیم دفینہ اور خزانہ جو زمین سے برآمد ہو۔ مویشی۔ ان میں اکثر اقسام کے متعلق تو خود قرآن کریم نے تصریح فرما دی ہے مثلاً سونے چاندی کے بارے میں اسی سورہ توبہ کی آیت ۳۵ جو پہلے گزر چکی ہے اس میں ارشاد ہے الذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ (توبہ) *

اس آیت میں سونے چاندی پر زکوٰۃ فرض ہونا اور اس کے نہ دینے کی صورت میں جہنم کا عذاب صریح طور پر مذکور ہے اور چونکہ سونے اور چاندی کے الفاظ عام وارد ہوئے ہیں اس لئے حکم یہ ہے کہ سونا چاندی خواہ کسی صورت میں ہو زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی۔ خواہ سونے چاندی کے ٹکڑے ہوں یا درہم و دینار اور گنی اور روپیہ ہوں یا زیور کی صورت میں ہوں کیونکہ الفاظ آیت سے ان میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔

اور اموال تجارت اور زرعی زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں اور کانوں اور خزانوں سے حاصل ہونے والے اموال کے متعلق

سورہ بقرہ کی ایک ہی آیت میں زکوٰۃ کا فرض ہونا بیان فرما دیا گیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ماکسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض (بقرہ ۲۶۷) یعنی اے ایمان والو خرچ کرو اپنی پاکیزہ کمائی میں سے۔ اور اس چیز میں سے جو ہم نے نکالی ہے تمہارے لئے زمین سے۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت میں لفظ کسب (کمائی) آیا ہے اور کسب کہتے ہیں اس چیز کو جو محنت مشقت سے حاصل ہو۔ اس لئے اس لفظ کسب میں وہ مال بھی داخل ہے جو کسی نے اپنی محنت مزدوری کے ذریعہ حاصل کیا ہو اور اموال تجارت بھی جن کو محنت مشقت کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے اور وہ مال بھی جو میراث میں ملا ہو کیونکہ وہ اگرچہ وارث کی بلا واسطہ کمائی نہیں ہے مگر اس کے مورث کی کمائی ہے جو ایک حیثیت سے اسی کی کمائی کہی جا سکتی ہے۔

اس آیت میں سونے چاندی کو ایک ساتھ ذکر کرنے میں اس طرف بھی اشارہ پایا گیا کہ یہ دونوں جنسیں ایک حیثیت سے ایک ہی ہیں۔ اگر ان کا نصاب الگ الگ پورا نہ ہو مگر دونوں سے مل کر نصاب پورا ہو جائے تب بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کما صرح بہ الفقہاء۔ فاطبۃ) اور وہ چیزیں جو زمین سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اس میں زرعی زمین اور باغات کی پیداوار بھی داخل ہے اور معادن یعنی کانوں سے نکلنے والی سب دھاتیں اور مختلف چیزیں بھی اور وہ دفینہ و خزانہ بھی جو کسی زمین

سے برآمد ہو۔

اور زرعی زمین اور باغات اور درختوں کی پیداوار کے متعلق ایک مستقل آیت بھی سورہ انعام میں گذر چکی ہے ~~ وآتوا حقہ یوم حصادہ یعنی ادا کرو حق کھیتی اور درختوں کے پھلوں کا اُن کے کاٹنے کے دن۔ قرطبی نے حضرت انس بن مالک، ابن عباس، اور طاؤس و حسن بصری رضی اللہ علیہم سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد وہ زکوٰۃ ہے جو زرعی زمینوں وغیرہ کی پیداوار پر عائد ہے۔

اور مویشی پر زکوٰۃ کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مستقل صحیفہ میں لکھوا کر حضرت عمرو بن حزم وغیرہ صحابہ کرام کو سپرد فرما دیا تھا۔ لم ۳ ۱۱

کتنے مال پر زکوٰۃ واجب ہے

پھر جن اموال پر زکوٰۃ عائد کی گئی ہے اُن میں بھی ایسا نہیں کیا کہ ہر قلیل و کثیر پر زکوٰۃ فرض کر دی جائے بلکہ اُن کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص مقدار مقرر فرمائی جس کو فقہاء کی اصطلاح میں نصاب کہا جاتا ہے اس سے کم مال ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔

مثلاً چاندی کے لئے دو سو درہم نصاب مقرر فرمایا جس کا وزن ہمارے مروجہ اوزان کے اعتبار سے باون تولہ ۶ ماشہ ۵ رتی ہوتا ہے اور سونے کے لئے بیس مثقال کا نصاب متعین فرمایا جو ہمارے موجودہ

وزن کے اعتبار سے ۷ تولہ ۶ ماشہ ہوتا ہے اور اموال تجارت کا نصاب بھی چونکہ قیمت ہی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اس لئے اُس کا نصاب بھی یہی سونے چاندی کا نصاب ہوگا۔

زکوٰۃ سال بھر میں ایک مرتبہ لی جائے گی

نظام زکوٰۃ کا دوسرا بنیادی قاعدہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا کہ جب تک کسی مال پر سال پورا نہ گزر جائے اُس وقت تک اُس پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی پھر سال کے ختم پر جتنا مال اُس وقت ملک میں موجود ہوگا اس کی زکوٰۃ لی جائے گی۔ (ترمذی)

زکوٰۃ کی مقدار

مقدار زکوٰۃ کس مال میں کس حساب سے لی جائے اس کے متعلق اتنی بات تو قرآن کریم نے خود واضح فرما دی کہ اُس کا تعین حق تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے اُس میں کسی کی رائے کو دخل نہیں پھر اُس تعین کا بیان اور تشریح خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اُس سے معلوم ہوا کہ مقدار زکوٰۃ کا تعین عین عقل و حکمت کے مطابق اس اصول پر ہوا ہے کہ جس مال کی تخلیق براہ راست دست قدرت سے ہوئی ہے اُس کی پیداوار میں انسان کا کوئی دخل نہیں اس میں مقدار زکوٰۃ سب سے زیادہ رکھی گئی اور پھر جس کی پیداوار میں انسان کا دخل ہے مگر بہت کم اُس میں

مقدار کم کردی گئی پھر جس کی پیداوار میں جتنا جتنا انسان کا دخل اور محنت بڑھتی گئی اُتنا ہی زکوٰۃ کی مقدار کم ہوتی گئی۔ مثلاً معادن (کانوں) سے جو چیزیں برآمد ہوتی ہیں اُن کی پیدائش میں انسانی عمل کا کوئی واسطہ نہیں یا نہ وہ بیج ڈالتا ہے نہ اُس کے بڑھانے کے لیے اس کو آبیاری کی ضرورت پیش آتی ہے اسی طرح جو قدیم دفینہ یا خزانہ کسی زمین سے برآمد ہو جائے اس کے پیدا کرنے میں انسانی عمل کا کیا دخل ہے ان دونوں چیزوں میں مقدار زکوٰۃ سب سے زیادہ یعنی کل کا پانچواں حصہ رکھا گیا۔ یہی پانچواں حصہ مال غنیمت میں بیت المال کا حق قرار دیا گیا کیونکہ مال غنیمت کی تخلیق و پیداوار میں اس کے حاصل کرنے والوں کا کوئی دخل نہیں۔

اس کے بعد دوسرا درجہ اُس زمین کی زرعی پیداوار کا ہے جس کی پیداوار صرف بارش کے پانی سے ہے۔ کنویں یا نہر وغیرہ کا پانی اُس کو نہیں دیا جاتا۔ اس میں انسان کو صرف اتنا کرنا پڑتا ہے کہ زمین کو ہل وغیرہ چلا کر نرم کر دے اور اُس میں جو چیز بونا ہے اُس کا بیج ڈال دے باقی اُس بیج سے پودا نکلنا اور اس کا پرورش پانا سب قدرتی پانی سے ہوتا ہے، خواہ وہ زمین کے اندر سے جذب کرے یا اوپر کی بارش سے حاصل کرے۔ اس لئے اُس کی مقدار زکوٰۃ معادن وخزائن کی زکوٰۃ سے آدھی یعنی دسواں حصہ کر دیا گیا۔ اور جس زمین کی آبپاشی کسی کنویں یا نہر وغیرہ سے کی جائے اس میں انسان کی محنت اور خرچ اور زیادہ بڑھ

گویا اس لیے اس کی زکوٰۃ پہلی قسم کی زمین سے بھی آدھی یعنی بیسواں حصہ کر دیا گیا۔ زمین کے علاوہ نقود۔ زیور۔ مال تجارت وغیرہ کے کسب میں انسانی محنت و عمل کو اس سے بھی زیادہ دخل ہے اس لیے اُس کی زکوٰۃ دوسری قسم کی زمین کی زکوٰۃ سے بھی آدھی یعنی چالیسواں حصہ کر دیا گیا۔

مویشی کی زکوٰۃ میں بھی اسی طرح کی آسانیوں کے پیش نظر مستقل ضابطہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو لکھوا کر دیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس بھی یہ ضابطہ تحریر شدہ موجود تھا۔ خلفائے راشدین اور امراء اسلام نے ہمیشہ اسی کو قانون زکوٰۃ قرار دے کر اس پر عمل کیا ہے۔

اموال باطنہ کی زکوٰۃ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا انتظام صرف اُن اموال میں کیا جو فقہاء کی اصطلاح میں اموال ظاہرہ کہلاتے ہیں یعنی جن اموال کا معاملہ بالکل کھلا ہوا اور واضح ہے جیسے معادن۔ زرعی زمینیں۔ مویشی کہ ان کو کوئی چھپا کر گھروں اور صندوقوں میں محفوظ نہیں کر سکتا بلکہ اُن کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت ہی کی انتظامی مشینری کرتی ہے۔ ایسے اموال کی زکوٰۃ کا قانون یہ بنایا گیا کہ ان کی زکوٰۃ اصحاب اموال براہ راست خود نہ ادا کریں بلکہ عمال حکومت کے حوالہ کریں اور اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اُس نے خود ادا کر دی ہے تو

اس پر اعتماد نہ کیا جائے دوبارہ وصول کی جاتے۔ کیونکہ ان اموال کی زکوٰۃ خود ادا کرنے کا اس کو حق نہ تھا۔

باقی اموال باطنہ نقد سونا۔ چاندی۔ زیورات وغیرہ ان کے متعلق حکومت کو شرعی قانون سے اس کا مجاز نہیں کیا کہ وہ لوگوں کے گھروں میں گھس کر ان کے محفوظ سامانوں کی تلاشی لیں۔ اور ان کی زکوٰۃ وصول کریں بلکہ ایسے اموال کی زکوٰۃ خود اصحاب اموال ہی کے حوالہ کی گئی کہ وہ بطور خود ادا کریں۔ خواہ بیت المال کو دیدیں یا براہ راست فقراء میں تقسیم کردیں اور جو بیت المال کو دیں اس میں بھی ان سے یہ محاسبہ نہ ہوتا تھا کہ کل کتنا مال تھا اس کی کتنی زکوٰۃ ہوتی ہے یہ کس قدر دے رہے ہیں۔ صحابہ کرام کا عام معمول یہی رہا کہ وہ اپنے ایسے اموال کی زکوٰۃ بھی بیت المال ہی میں خود جمع کر دیتے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان پر کوئی پابندی نہ تھی۔

عہد رسالت میں اموال تجارت بھی زیادہ تر ایسے ہی تھے کہ گھروں یا دکانوں میں محفوظ و مخزون تھے اس لئے ان کی زکوٰۃ بھی عمال حکومت کے ذریعہ وصول نہیں کی جاتی تھی۔ حضرت فاروق اعظم رض کے زمانے میں جب اموال تجارت کا حمل و نقل مختلف شہروں اور بازاروں میں ہونے لگا اور وہ بھی مویشی کی اموال کی طرح اموال ظاہرہ کی مثل ہوگئے تو آپ نے شہر کے مختلف علاقوں پر عمال حکومت کی چوکیاں بٹھادیں۔ جو وہاں سے گزرنے والے مسلمان تاجروں سے زکوٰۃ وصول کریں اور غیر مسلموں سے

اُن کے مقررہ ضابطہ کے مطابق ٹیکس وصول کریں۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے زمانے میں اموال تجارت کی زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے شہر کے راستوں پر چوکیاں قائم فرمائیں۔ اور جمہور صحابہ تابعین نے حضرت فاروق اعظمؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس عمل کو پسند فرمایا کسی نے اس پر احتجاج نہیں کیا۔ یہ سب تفصیل امام ابوبکر جصاص کے احکام القرآن میں مذکور ہے۔

یہ ہے وہ نظام زکوٰۃ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ کے حکم کی تعمیل کے لئے قائم فرمایا اور مصارف زکوٰۃ کا مستقل بیان اسی سورت کی ایک مستقل آیت میں آیا ہے جو بعد میں لکھا جائے گا۔

اب آیت مذکورہ کے باقی الفاظ کی تفسیر سنئے۔ ارشاد فرمایا صدقۃً تطھرھم وتزکیھم بھا اس میں صدقہ کا فائدہ دو لفظوں میں بیان فرمایا ہے ایک تطہیر دوسرے تزکیہ۔ تطہیر کے معنی پاک کرنے کے مشہور و معروف ہیں۔ تزکیہ اس معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور کسی چیز میں بڑھنا یعنی بڑھوتری کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ اس جگہ اگر پہلے معنی لئے جائیں تو وہ تطہیر کی تاکید سمجھی جائے گی۔ اور دوسرے معنی لئے جائیں تو معنی یہ ہو جائیں گے کہ صدقہ کے ذریعہ یہ لوگ اپنے گناہوں سے اور بُرے اخلاق سے پاک بھی ہو جائیں گے اور ان کے اعمال و اخلاق میں برکت بھی ہو گی کہ تھوڑی محنت بڑے اجر و ثواب کا سبب بن جائے گی۔ صدقہ کے ذریعہ گناہوں کا معاف ہونا احادیث

صحیح میں وارد ہے حدیث میں ہے کہ صدقہ اللہ تعالی کے غضب کو اس
طرح ٹھنڈا کر دیتا ہے جیسے پانی آگ کو اور جب کوئی آدمی گناہوں سے پاک
صاف ہو کر کوئی عمل عبادت کا کرتا ہے تو اس کی عبادت کا ایک خاص اثر
اور رنگ ہوتا ہے۔ یہی خاص اثر اس کے اعمال کی برکت ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا وصل علیہم ان صلوتک سکن لہم
لفظ صلوۃ اصطلاحی نماز کے معنی میں تو معروف ہے ہی اس کے دوسرے
معنی دعا کرنے کے بھی آتے ہیں وہی اس جگہ مراد ہے کہ آپ اُن کے
لئے دعا کریں۔ کیونکہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان و سکون
ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت اس آیت کے مطابق یہ
ہو گئی تھی کہ صدقہ دینے والوں کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے اور آپ کے
بعد ہر امام و امیر کے لئے یہ سنت جاری ہو گئی کہ صدقہ ادا کرنے والوں
کے لئے دعا کیا کریں اسی آیت میں دعا کو بلفظ صلوۃ ذکر کیا گیا ہے
مگر بعد میں صلوۃ کا لفظ صرف انبیاء کے لئے استعمال ہونے لگا جس
کے نام کے ساتھ صلوۃ و سلام کے الفاظ دیکھے سنے جائیں اُس کو
عرف میں نبی یا رسول سمجھا جاتا ہے اس لئے فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا
کہ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے لئے لفظ صلوۃ کے ساتھ
دعا کرنا درست نہیں۔ تاکہ انبیاء اور غیر انبیاء میں امتیاز باقی رہے۔
اس لئے صلوۃ کے علاوہ دوسرے الفاظ سے دعا کرنا چاہیئے۔

یہاں تک سورہ توبہ کی آیت (۱۰۳) کا بیان تھا جس میں زکوۃ

کے اصولی مسائل کا ذکر ہے انھیں اصولی مسائل میں ایک مسئلہ مصارف زکوٰۃ کا بھی ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کن کن مصرف میں صرف کئے جا سکتے ہیں اس کا بیان سورہ توبہ ہی کی ایک دوسری آیت میں آیا ہے

مصارف صدقات

دوسری آیت :۔ سورہ توبہ رکوع ۸ - آیت ۶۰

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعٰملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللّٰہ وابن السبیل ط فریضۃ من اللّٰہ ط واللّٰہ علیم حکیم

ترجمہ :۔ صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرضداروں کے قرضہ میں اور جہاد میں اور مسافروں میں یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

اس سے پہلی آیتوں میں صدقات کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض منافقین کے اعتراضات اور جواب کا ذکر تھا۔ جس میں منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام لگایا تھا کہ آپ (معاذ اللہ) صدقات کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتے جس کو چاہتے ہیں اور جو چاہتے ہیں دیدیتے ہیں۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مصارف صدقات کو متعین فرما کر ان کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود تعیین فرما دی ہے

کہ صدقات کن لوگوں کو دینے چاہئیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم صدقات میں اسی ارشاد ربانی کی تعمیل فرماتے ہیں اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتے۔

اس کی تصدیق اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو ابو داؤد دارقطنی نے حضرت زیاد بن حارث صدائی کی روایت سے نقل کی ہے یہ فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ ان کی قوم کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر مسلمانوں کا روانہ فرما رہے ہیں میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ لشکر نہ بھیجیں میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ وہ سب مطیع و فرمانبردار ہو کر آجائیں گے۔ پھر میں نے اپنی قوم کو خط لکھا تو سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ یا اخا صداء المطاع فی قومہ جس میں گویا ان کو یہ خطاب دیا گیا کہ یہ اپنی قوم کے محبوب اور مقتدا ہیں میں نے عرض کیا کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے اُن کو ہدایت ہو گئی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ یہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی مجلس میں حاضر تھا کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ سوال کرنے کے لئے حاضر ہوا آپ نے اس کو جواب دیا۔

صدقات کی تقسیم کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے بھی حوالہ نہیں کیا بلکہ خود ہی اُس کے آٹھ مصرف متعین فرما دیئے اگر تم اُن آٹھ میں داخل ہو تو تمہیں دے سکتا ہوں۔ انتہی (تفسیر قرطبی ص ۱۶۸ ج ۸)

آیت کا شان نزول معلوم کرنے کے بعد آیت کی مکمل تفسیر اور تشریح سننے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ اللہ جل شانہ نے تمام مخلوقات انسان و حیوان وغیرہ کو رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔ اور ساتھ ہی اپنی حکمت بالغہ سے ایسا نہیں کیا کہ سب کو رزق میں برابر کر دیتے۔ غنی و فقیر کا فرق نہ رہتا اس میں انسان کی اخلاقی تربیت اور نظام عالم سے متعلق سینکڑوں حکمتیں ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں اس حکمت کے ماتحت کسی کو مالدار بنا دیا کسی کو غریب فقیر پھر مالداروں کے مال میں غریب فقیر کا حصہ لگا دیا۔ ارشاد فرمایا فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم۔ جس میں بتلا دیا کہ مالداروں کے مال میں اللہ تعالیٰ نے ایک معین مقدار کا حصہ فقرائ کے لئے رکھ دیا ہے جو اُن فقرا کا حق ہے۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ مالداروں کے مال سے جو صدقہ نکالنے کا حکم دیا گیا ہے یہ کوئی اُن کا احسان نہیں بلکہ فقرا کا ایک حق ہے جس کی ادائیگی اُن کے ذمہ ضروری ہے۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حق اللہ تعالیٰ کے نزدیک متعین ہے یہ نہیں کہ جس کا جی چاہے جب چاہے اُس میں کمی بیشی کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس معین حق کی مقداریں بتلانے کا کام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا اور اسی لئے آپ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا کہ صحابہ کرام کو صرف زبانی بتلا دینے پر کفایت نہیں فرمائی بلکہ اس معاملہ کے متعلق مفصل فرمان لکھوا کر حضرت فاروق اعظم اور عمرو بن حزم کو سپرد

فرمائے جس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ زکوۃ کے نصاب اور نصاب میں سے مقدار زکوۃ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے واسطہ متعین کر کے بتلا دئے ہیں اس میں کسی زمانہ اور کسی ملک میں کسی کو کمی بیشی یا تغیر تبدل کا کوئی حق نہیں۔

صدقہ زکوۃ کی فرضیت: صحیح یہ ہے کہ اوائل اسلام ہی میں مکہ مکرمہ کے اندر نازل ہو چکی تھی جیسا کہ امام تفسیر ابن کثیر نے سورہ مزمل کی آیت فاقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکاۃ سے استدلال فرمایا ہے کیونکہ یہ سورت بالکل ابتداء وحی کے زمانہ کی سورتوں میں ہے سے اس میں نماز کے ساتھ ہی زکوۃ کا حکم بھی ہے۔ البتہ روایات حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء اسلام میں زکوۃ کے لئے کوئی خاص نصاب یا خاص مقدار مقرر نہ تھی بلکہ جو کچھ ایک مسلمان کی اپنی ضرورتوں سے بچ رہے وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاتا تھا نصابوں کا تعین اور مقدار زکوۃ کا بیان بعد از ہجرت مدینہ طیبہ میں ہوا ہے۔ اور پھر زکوۃ وصدقات کی وصولیابی کا نظام حکیمانہ انداز کا تو فتح مکہ کے بعد عمل میں آیا ہے۔ اس آیت میں باجماع صحابہ وتابعین اسی صدقہ واجبہ کے مصارف کا بیان ہے جو نماز کی طرح مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ جو مصارف اس آیت میں متعین کئے گئے ہیں وہ صدقات فرض ہی کے مصارف ہیں۔ نفلی صدقات میں روایات حدیث کی تصریحات کی بناء پر بہت وسعت ہے وہ ان آٹھ مصارف میں منحصر نہیں۔

اگرچہ اوپر کی آیات میں صدقات کا لفظ عام صدقات کے لیے استعمال ہوا ہے جس میں واجب اور نفلی دونوں داخل ہیں۔ مگر اس آیت میں باجماع امت صدقات فرض ہی کے مصارف کا بیان آیا ہے۔ اور تفسیر قرطبی میں ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں لفظ صدقہ مطلق بولا گیا ہے اور کوئی قرینہ نفلی صدقہ کا نہیں ہے تو وہاں صدقہ فرض ہی مراد ہوتا ہے۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ جس طرح صدقات فرض کے مصارف کو حق تعالیٰ نے خاص نظام کے ساتھ منظم فرما دیا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کا اتباع کرتے ہیں اسی طرح دوسرے صدقات کی تقسیم میں بھی آپ انھیں اوصاف کو مدار تقسیم قرار دیتے ہیں جو اس جگہ حق تعالیٰ نے متعین فرما دئے ہیں انھیں اوصاف کے دائرہ میں رہ کر اپنی صوابدید پر عمل فرماتے ہیں۔ مخالفین کا یہ شبہ غلط ہے کہ آپ جس کو جو چاہیں دیدیتے ہیں۔

اس آیت کو لفظ انّما سے شروع کیا گیا یہ لفظ حصر و انحصار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس شروع ہی کے کلمہ نے بتلایا کہ صدقات کے جو مصارف آگے بیان ہو رہے ہیں تمام صدقات واجبہ صرف انھیں میں خرچ ہونے چاہئیں ان کے علاوہ کسی دوسرے مصرف خیر میں صدقات واجبہ صرف نہیں ہو سکتے۔ جیسے جہاد کی تیاری یا بناء مساجد و مدارس یا دوسرے رفاہ عام کے ادارے۔ یہ سب چیزیں بھی اگرچہ ضروری ہیں اور انہیں خرچ کرنے کا بہت بڑا ثواب ہے۔ مگر صدقات فرض جن کی مقداریں متعین کر دی گئی ہیں اُن کو ان میں نہیں لگایا جا سکتا۔

آیت کا دوسرا لفظ صدقات صدقہ کی جمع ہے صدقہ لغت میں
اُس مال کے جز کو کہا جاتا ہے جو اللہ کے لئے خرچ کیا جائے۔ (قاموس)
امام راغب نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ صدقہ کو صدقہ اس لئے کہتے
ہیں کہ اُس کا دینے والا گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے قول و فعل میں
صادق ہوں اس کے خرچ کرنے کی کوئی غرض دنیوی نہیں بلکہ صرف
اللہ کی رضا کے لئے خرچ کر رہا ہوں۔ اسی لئے جس صدقہ میں کوئی نام
و نمود یا دنیوی غرض شامل ہو جائے قرآن کریم نے اُس کو کالعدم قرار
دیا ہے۔ لفظ صدقہ اپنی اصلی معنیٰ کی رو سے عام ہے نفلی صدقہ کو بھی کہا جاتا
ہے۔ فرض زکوۃ کو بھی نفل کے لئے تو اس کا استعمال عام ہے ہی۔ فرض
کے لئے بھی قرآن کریم میں بہت جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ جیسے
خذ من اموالھم صدقہ۔ اور آیت زیر بحث انما الصدقات
وغیرہ بلکہ قرطبی کی تحقیق تو یہ ہے کہ قرآن میں جب مطلق لفظ صدقہ بولا جاتا
ہے تو اُس سے صدقہ فرض ہی مراد ہوتا ہے۔ اور روایت حدیث میں لفظ
صدقہ ہر نیک کام کے لئے بھی استعمال ہوا ہے جیسے حدیث میں ہے کہ کسی
مسلمان سے خوش ہو کر ملنا بھی صدقہ ہے کسی بوجھ اٹھانے والے کا بوجھ
اٹھوا دینا بھی صدقہ ہے کنویں سے پانی کا ڈول اپنے لئے نکالا اس میں سے
کسی دوسرے کو دیدینا بھی صدقہ ہے۔ اس حدیث میں لفظ صدقہ مجازی
طور پر عام معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے۔
تیسرا لفظ اس کے بعد الفقراء ہے اس کے شروع میں حرف

لام ہے جو تخصیص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس لئے معنی جملہ کے یہ ہوں گے کہ تمام صدقات صرف انھیں لوگوں کا حق ہیں جن کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔ اب اُن آٹھ مصارف کی تفصیل سنئے جو اسکے بعد مذکور ہیں۔

ان میں پہلا مصرف فقرا ہیں دوسرا مساکین فقیر اور مسکین کے اصلی معنی میں اگرچہ اختلاف ہے۔ ایک کے معنی ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو ایک کے معنی ہیں جس کے پاس نصاب سے کم ہو لیکن حکم زکوۃ میں دونوں یکساں ہیں کوئی اختلاف نہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اُس کی ضروریات اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال نہ ہو یا بالکل ہی نہ ہو اس کو زکوۃ دی جا سکتی ہے اور اُس کے لئے زکوۃ لینا بھی جائز ہے۔ ضروریات میں رہنے کا مکان استعمالی برتن اور کپڑے اور فرنیچر وغیرہ سب داخل ہیں۔ نصاب یعنی سونا ساڑھے سات تولہ۔ چاندی ساڑھے باون تولہ یا اس کی قیمت جس کے پاس ہو اور وہ قرضدار بھی نہ ہو اس کو نہ زکوۃ لینا جائز ہے نہ دینا اسی طرح وہ شخص جس کے پاس کچھ چاندی یا کچھ پیسے نقد ہیں اور تھوڑا سا سونا ہے تو سب کی قیمت لگا کر اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کی برابر ہو جائے تو وہ بھی صاحب نصاب ہے اُس کو زکوۃ دینا اور لینا جائز نہیں۔ اور جو شخص صاحب نصاب نہیں مگر تندرست قوی اور کمانے کے قابل ہے اور ایک دن کا گزارہ اُس کے پاس موجود ہے اُس کو اگرچہ زکوۃ دینا جائز ہے مگر یہ جائز نہیں کہ وہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے۔ اس میں بہت سے لوگ غفلت برتتے ہیں سوال کرنا ایسے

لوگوں کے لئے حرام ہے ایسا شخص جو کچھ سوال کر کے حاصل کرتا ہے اُس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کا انگارہ فرمایا ہے۔ (ابوداؤد بروایت علی رضؓ قرطبی) حاصل یہ ہے کہ فقرا اور مسکین ہیں زکوٰۃ کے باب میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ وصیت کے حکم میں فرق پڑتا ہے کہ مساکین کے لئے وصیت کی ہے۔ تو کیسے لوگوں کو دیا جائے اور فقراء کے لئے کی ہے تو کیسے لوگوں کو دیا جائے۔ جس کے بیان کی یہاں ضرورت نہیں۔ فقراء اور مسکین کے دونوں مصرفوں میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ جس کو مال زکوٰۃ دیا جائے وہ مسلمان ہو اور حاجات اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال کا مالک نہ ہو۔

اگر چہ عام صدقات غیر مسلموں کو بھی دیے جا سکتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ تصدقوا علی اھل الادیان کلھا۔ یعنی ہر مذہب والے پر صدقہ کرو۔ لیکن صدقہ زکوٰۃ کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن بھیجنے کے وقت یہ ہدایت فرمائی تھی کہ مال زکوٰۃ صرف مسلمانوں کے اغنیاء سے لیا جائے اور انھیں کے فقراء پر صرف کیا جائے۔

اس لئے مال زکوٰۃ کو صرف مسلم فقراء اور مساکین ہی پر صرف کیا جا سکتا ہے زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات یہاں تک صدقۃ الفطر بھی غیر مسلم فقیر مسکین کو دینا جائز ہے۔ (ہدایہ)

اور دوسری شرط مالک نصاب نہ ہونے کی خود فقیر و مسکین کے معنی سے واضح ہو جاتی ہے کیونکہ یا تو اُس کے پاس کچھ نہ ہوگا یا کم از کم مال نصاب

کی مقدار سے کم ہوگا۔ اس لئے فقراء اور مساکین دونوں اتنی بات میں مشترک ہیں کہ اُن کے پاس بقدر نصاب مال موجود نہیں۔

ان دو مصرفوں کے بعد اور چھ مصارف کا بیان آیا ہے اُن میں سے پہلا مصرف عاملین صدقہ ہیں جس کی مکمل تشریح آگے آتی ہے ان چھ مصارف میں سے صرف عاملین صدقہ کا مصرف ایسا ہے جس میں فقرا اور محتاجی شرط نہیں بلکہ اغنیاء کو بھی اُن کی کارکردگی کی مقدار پر دیا جاتا ہے۔ باقی ماندہ پانچوں مصارف میں باتفاق جمہور امت فقر و حاجت مندی شرط ہے اور اس بناء پر بیان مصارف میں صرف فقرا اور عاملین صدقات کا ذکر کر دینا کافی تھا۔ مگر دوسرے عنوانات کے للنے سے مقصود یہ ہے کہ ان میں علاوہ فقر و مسکنت کے دوسرے اسباب استحقاق و امداد کے بھی موجود ہیں۔

عاملین صدقہ وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات و زکوۃ وغیرہ لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں اس لئے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت نے مصارف زکوۃ میں اُن کا حصہ رکھ کر یہ متعین کر دیا کہ ان کا حق الخدمت اسی مد زکوۃ سے دیا جائے گا۔

اس میں اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں سے زکوۃ و صدقات وصول کرنے کا فریضہ براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد

فرمایا ہے۔ جس کا بیان آیت خذ من اموالھم صدقۃ کے تحت میں اوپر آچکا ہے۔ اور آپ کے بعد مسلمانوں کے ہر امیر پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ زکوۃ وصدقات وصول کرے اور یہ ظاہر ہے کہ امیر خود اس کام کو پورے ملک میں بغیر اعوان اور مددگاروں کے نہیں کر سکتا۔ انھیں اعوان اور مددگاروں کا ذکر مذکورالصدر آیت میں والعاملین علیھا کے الفاظ سے کیا گیا۔

انھیں آیات کی تعمیل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ کرام کو صدقات وصول کرنے کے لئے عامل بنا کر مختلف خطوں میں بھیجا ہے اور آیت مذکورہ کی ہدایت کے موافق زکوۃ ہی کی حاصل شدہ رقم میں سے ان کو حق الخدمت دیا ہے۔ ان میں وہ حضرات صحابہ بھی شامل ہیں جو اغنیا تھے۔ حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ کسی غنی یعنی مالدار کے لئے حلال نہیں بجز پانچ شخصوں کے ایک وہ شخص جو جہاد کے لئے نکلا ہے اور وہاں اس کے پاس بقدر ضرورت مال نہیں۔ اگرچہ گھر میں مالدار ہو۔ دوسرے عامل صدقہ جو صدقہ وصول کرنے کی خدمت انجام دیتا ہو۔ تیسرے وہ شخص کہ اگرچہ اس کے پاس مال ہے مگر وہ موجودہ مال سے زیادہ کا مقروض ہے۔ چوتھے وہ شخص جو صدقہ کا مال کسی غریب مسکین سے پیسے دے کر خرید لے۔ پانچویں وہ شخص جس کو کسی غریب فقیر نے صدقہ کا حاصل شدہ مال بطور ہدیہ پیش کر دیا ہو۔

رہا یہ مسئلہ کہ عاملین صدقہ کو اس میں سے کتنی رقم دی جائے۔ سو اس کا حکم یہ ہے کہ ان کی محنت وعمل کی حیثیت کے مطابق دی جائے گی۔ (احکام القرآن جصاص، قرطبی)

البتہ یہ ضروری ہوگا کہ عاملین کی تنخواہیں نصف زکوٰۃ سے بڑھنے نہ پائیں۔ اگر زکوٰۃ کی وصولیابی اتنی کم ہو کہ عاملین کی تنخواہیں دیکر نصف بھی باقی نہیں رہتی تو پھر تنخواہوں میں کمی کی جائے گی نصف سے زائد صرف نہیں کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری۔ ظہیریہ)

بیان مذکور سے معلوم ہوا کہ عاملین صدقہ کو جو رقم مد زکوٰۃ سے دی جاتی ہے وہ بحیثیت صدقہ نہیں بلکہ ان کی خدمت کا معاوضہ ہے اسی لئے باوجود غنی اور مالدار ہونے کے بھی وہ اس رقم کا مستحق ہے اُس کو دینا جائز ہے۔ اور مصارف زکوٰۃ کے آٹھ مدات ہیں۔ صرف ایک یہی مد ایسا ہے جس میں رقم مذکور بطور معاوضہ خدمت دی جاتی ہے ورنہ زکوٰۃ نام ہی اُس عطیہ کا ہے جو غریبوں کو بغیر کسی معاوضہ خدمت کے دیا جائے اور اگر کسی غریب فقیر کو کوئی خدمت لے کر مال زکوٰۃ دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

اسی لئے یہاں دو سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ مال زکوٰۃ کو معاوضہ خدمت میں کیسے دیا گیا دوسرے یہ کہ مالدار کے لئے یہ مال زکوٰۃ حلال کیسے ہوا۔ ان دونوں سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ عاملین صدقہ کی اصلی حیثیت کو سمجھ لیا جائے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات فقراء کے وکیل کی

حیثیت رکھتے ہیں اور یہ سب جانتے ہیں کہ وکیل کا قبضہ اصل موکل کے قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے اگر کوئی شخص اپنا قرض وصول کرنے کے لئے کسی کو وکیل مختار بنادے اور قرضدار یہ قرض وکیل کو سپرد کردے تو وکیل کا قبضہ ہوتے ہی قرضدار بری ہوجاتا ہے۔ تو جب رقم زکوٰۃ عاملین صدقہ نے فقرا کے وکیل ہونے کی حیثیت سے وصول کرلی تو اُن کی زکوٰۃ ادا ہوگئی اب یہ پوری رقم فقرار کی ملک ہے جن کی طرف سے بطور وکیل انھوں نے وصول کی ہے۔ اب جو رقم حق الخدمت کی اُن کو دی جاتی ہے وہ مالداروں کی طرف سے نہیں بلکہ فقرار کی طرف سے ہوئی اور فقرار کو اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اختیار ہے ان کو یہ بھی حق ہے کہ اپنا کام ان لوگوں سے لیتے ہیں تو اپنی رقم میں سے ان کو معاوضہ خدمت دیدیں۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ فقرا نے تو ان کو وکیل مختار بنایا نہیں۔ یہ ان کے وکیل کیسے بن گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ جس کو امیر کہا جاتا ہے۔ وہ قدرتی طور پر منجانب اللہ پورے ملک کے فقرا غربا کا وکیل ہوتا ہے کیونکہ ان سب کی ضروریات کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے امیر مملکت جس کو صدقات کی وصولیابی پر عامل بنادے وہ سب ان کے نائب کی حیثیت سے فقرا کے وکیل ہوجاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ عاملین صدقہ کو جو کچھ دیا گیا وہ درحقیقت زکوٰۃ نہیں دی گئی بلکہ زکوٰۃ جن فقرا کا حق ہے اُن کی طرف سے معاوضہ خدمت دیا گیا۔ جیسے کوئی غریب فقیر کسی کو اپنے مقدمہ کا وکیل بنائے

اور اس کا حق الخدمت زکوٰۃ کے حاصل شدہ مال سے ادا کر دے تو یہ نہ دینے والا بطور زکوٰۃ کے دے رہا ہے نہ لینے والا زکوٰۃ کی حیثیت سے لے رہا ہے۔

مدارس اور انجمنوں کے سفیر عاملین صدقہ کے حکم میں نہیں

بیان مذکور سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آج کل جو اسلامی مدارس اور انجمنوں کے مہتمم یا اُن کی طرف سے بھیجے ہوئے سفیر صدقات زکوٰۃ مدارس اور انجمنوں کے لئے وصول کرتے ہیں اُن کا وہ حکم نہیں جو عاملین صدقہ کا اس آیت میں مذکور ہے کہ زکوٰۃ کی رقم میں سے اُن کی تنخواہ دی جا سکے۔ بلکہ ان کو مدارس اور انجمن کی طرف سے جداگانہ تنخواہ دینا ضروری ہے ان کی تنخواہ زکوٰۃ سے نہیں دی جا سکتی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فقراء کے وکیل نہیں بلکہ اصحاب زکوٰۃ مالداروں کے وکیل ہیں اُن کی طرف سے مال زکوٰۃ مصرف پر لگانے کا ان کو اختیار دیا گیا ہے۔ اسی لئے ان کے قبضہ ہو جانے کے بعد بھی زکوٰۃ اُس وقت تک ادا نہیں ہوتی جب تک یہ حضرات اُس کو مصرف پر خرچ نہ کر دیں۔

فقرا کا وکیل نہ ہونا اس لئے ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر تو کسی فقیر نے ان کو اپنا وکیل بنایا نہیں۔ اور امیر المومنین کی ولایت عامہ کی بنا پر جو خود بخود وکالت فقرا حاصل ہوتی ہے وہ ان کو حاصل نہیں۔ اس لئے بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ ان کو اصحاب زکوٰۃ کا وکیل قرار دیا جائے اور

جب تک یہ اس مال کو مصرف پر خرچ نہ کردیں ان کا قبضہ ایسا ہی ہے جیسا
زکوٰۃ کی رقم خود اپنے پاس رکھی ہو۔

اس معاملہ میں عام طور پر غفلت برتی جاتی ہے بہت سے ادارے
زکوٰۃ کا فنڈ وصول کرکے اس کو سالہا سال رکھتے ہیں اور اصحاب زکوٰۃ
سمجھتے ہیں کہ ہماری زکوٰۃ ادا ہو گئی ۔ حالانکہ ان کی زکوٰۃ اس وقت ادا ہوگی
جب ان کی رقم مصارف زکوٰۃ پر صرف ہو جائے گی۔ اسی طرح بہت سے
لوگ ناواقفیت سے اپنے سفیروں کو عاملین صدقہ کے حکم میں
داخل سمجھ کر زکوٰۃ کی رقم ہی سے ان کی تنخواہ دیتے ہیں یہ نہ دینے والوں کے
لئے جائز ہے نہ لینے والوں کے لئے۔

ایک اور سوال عبادت پر اجرت

یہاں ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے اشارات
اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی تصریحات سے یہ
بات ثابت ہے کہ کسی عبادت پر اجرت و معاوضہ لینا حرام ہے مسند احمد
کی حدیث میں بروایت عبدالرحمٰن بن سہل منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اقرءوا القرآن ولا تاکلوا بہ یعنی قرآن پڑھو مگر
اس کو کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ اور بعض روایات میں اس معاوضہ کو قطعہ
جہنم فرمایا ہے جو قرآن پر لیا جائے ۔ اس کی بنا پر فقہاء امت کا اتفاق ہے کہ
طاعات و عبادات پر اجرت لینا جائز نہیں ۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صدقات

وصول کرنے کا کام ایک دینی خدمت اور عبادت ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک قسم کا جہاد فرمایا ہے۔ اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس پر کوئی اجرت ومعاوضہ لینا حرام ہوتا۔ حالانکہ قرآن کریم کی اس آیت نے صراحتہً اس کو جائز قرار دیا اور زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں اس کو داخل فرمایا۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس کے متعلق فرمایا کہ جو عبادات فرض ہیں یا واجب علین ہیں ان پر اجرت لینا مطلقاً حرام ہے لیکن جو فرض کفایہ ہیں اُن پر کوئی معاوضہ لینا اسی آیت کی رو سے جائز ہے فرض کفایہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک کام پوری امت یا پورے شہر کے ذمہ فرض کیا گیا ہے مگر یہ لازم نہیں کہ سب ہی اُس کو کریں اگر بعض لوگ ادا کرلیں تو سب سبکدوش ہوجاتے ہیں۔ اور اگر کوئی بھی نہ کرے تو سب گناہگار ہوتے ہیں۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ اسی آیت سے ثابت ہوا کہ امامتِ خطابت کا معاوضہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ وہ بھی واجب علی العین نہیں بلکہ کفایہ ہے انتہی۔ اسی طرح تعلیم قرآن وحدیث اور دوسرے دینی علوم کا بھی یہی حال ہے کہ یہ سب کام پوری امت کے ذمہ فرض کفایہ ہیں اگر بعض لوگ کرلیں تو سب سبکدوش ہوجاتے ہیں اس لئے اس پر کوئی معاوضہ اور تنخواہ لی جائے تو وہ بھی جائز ہے۔

چوتھا مصرف مصارف زکوٰۃ میں مولفۃ القلوب ہیں

یہ وہ لوگ ہیں جن کی دلجوئی کے لئے ان کو صدقات دئیے جاتے تھے۔ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں تین چار قسم کے لوگ شامل تھے کچھ مسلمان کچھ غیر مسلم پھر مسلمانوں میں بعض تو وہ لوگ تھے جو غریب حاجت مند بھی تھے اور نو مسلم بھی ان کی دلجوئی اس لئے کی جاتی تھی کہ اسلام پر پختہ ہو جائیں اور بعض وہ تھے جو مالدار ہیں اور مسلمان ہو گئے تھے مگر ابھی تک ایمان کا رنگ ان کے دلوں میں رچا نہیں تھا۔ اور بعض وہ لوگ تھے جو خود تو پکے مسلمان تھے مگر ان کی قوم کو ان کے ذریعہ ہدایت پر لانا اور پختہ کرنا مقصود تھا اور غیر مسلموں میں بھی کچھ وہ لوگ تھے جن کے شر سے بچنے کے لئے اُن کی دلجوئی کی جاتی تھی اور بعض وہ جن کے بارے میں تجربہ یہ تھا کہ نہ تبلیغ و تعلیم سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ نہ جنگ و تشدد سے بلکہ احسان و حسن سلوک سے متاثر ہوتے ہیں۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جو یہ چاہتے تھے۔ کہ خلق خدا کو کفر کی ظلمت سے نکال کر نور ایمان میں لے آئیں اس کے لئے وہ ہر قسم کی جائز تدبیر کرتے تھے جس سے یہ لوگ متاثر ہو سکیں۔ یہ سب قسمیں عام طور پر مولفۃ القلوب میں داخل سمجھی جاتی ہیں جن کو صدقات کا چوتھا مصرف اس آیت میں قرار دیا ہے۔

عام خیال کے مطابق ان میں مسلم و غیر مسلم دونوں طرح کے لوگ تھے غیر مسلموں کی دلجوئی اسلام کی ترغیب کے لئے اور نو مسلموں کی دلجوئی اسلام پر پختہ کرنے کے لئے کی جاتی تھی۔ عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک خاص علت اور

مصلحت کے لئے جن کا ذکر ابھی آچکا ہے صدقات دیئے جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب کہ اسلام کو مادی قوت بھی حاصل ہوگئی اور کفار کے شر سے بچنے یا نومسلموں کو اسلام پر پختہ کرنے کے لئے اس طرح کی تدبیروں کی ضرورت نہ رہی تو وہ علت اور مصلحت ختم ہوگئی۔ اس لئے ان کا حصہ بھی ختم ہوگیا۔ جس کو بعض فقہا نے منسوخ ہو جانے سے تعبیر فرمایا ہے۔ فاروق اعظم۔ حسن بصری۔ شعبی۔ ابوحنیفہ۔ مالک بن انس رضی اللہ عنہم کی طرف یہی قول منسوب ہے۔

اور بہت سے حضرات نے فرمایا کہ مولفۃ القلوب کا حصہ منسوخ نہیں بلکہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اس کو ساقط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت نہ رہنے کی وجہ سے ان کا حصہ ساقط کر دیا گیا۔ آئندہ کسی زمانہ میں پھر ایسی ضرورت پیش آجائے تو پھر دیا جا سکتا ہے۔ امام زہری قاضی عبدالوہاب ابن عربی امام شافعی اور امام احمد کا یہی مذہب ہے لیکن تحقیقی اور صحیح بات یہ ہے کہ غیر مسلموں کو صدقات زکوٰۃ سے کسی وقت کسی زمانہ میں حصہ نہیں دیا گیا۔ اور نہ وہ مولفۃ القلوب میں داخل ہیں جن کا ذکر مصارف صدقات میں آیا ہے۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں ان سب لوگوں کے نام تفصیل کے ساتھ شمار کئے ہیں جن کی دلجوئی کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مد صدقات سے حصہ دیا ہے اور سب شمار کرنے کے بعد فرمایا ہے بالجملۃ کلھم مومن ولم یکن فیھم کافر۔ یعنی خلاصہ یہ ہے کہ مولفۃ

القلوب سب کے سب مسلمان ہی تھے۔ ان میں کوئی کافر شامل نہیں تھا اسی طرح تفسیر مظہری میں ہے لم یثبت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعطی احدا من الکفار لیلایلاف شیئا من الزکوٰۃ۔

یعنی یہ بات کسی روایت سے ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافر کو مال زکوۃ سے دلجوئی کے لئے حصہ دیا ہو۔ اس کی تائید تفسیر کشاف کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مصارف صدقات کا بیان یہاں اُن کفار منافقین کے جواب میں آیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تقسیم صدقات کے بارے میں یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ ہم کو صدقات نہیں دیتے اس آیت میں مصارف صدقات کی تفصیل بیان فرمانے سے مقصد یہ ہے کہ اُن کو بتلادیا جائے کہ کافر کا کوئی حق مال صدقات میں نہیں ہے۔ اگر مولفۃ القلوب میں کافر بھی داخل ہوں تو یہ مقصد فوت ہوتا ہے۔

تفسیر مظہری میں اس مغالطہ کو بھی اچھی طرح رفع کردیا ہے جو بعض روایات حدیث کے سبب لوگوں کو پیش آیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غیر مسلموں کو کچھ عطیات دئے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم اور ترمذی کی روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان ابن امیہ کو کافر ہونے کے زمانے میں کچھ عطیات دیئے۔ اس کے متعلق امام نووی کے حوالہ سے تحریر فرمایا کہ یہ عطیات زکوۃ کے مال سے نہ تھے بلکہ غزوہ حنین کے مال غنیمت کا جو خمس بیت المال میں داخل ہوا اُس میں سے دئے گئے اور یہ ظاہر ہے کہ بیت المال کے

اس مد سے مسلم وغیر مسلم دونوں پر خرچ کرنا باتفاق فقہا جائز ہے۔ پھر فرمایا کہ امام بیہقی، ابن سید الناس، امام ابن کثیر وغیرہم سب نے یہی قرار دیا ہے کہ یہ عطا مال زکوٰۃ سے نہیں بلکہ خمس غنیمت سے تھی۔

عہد رسالت میں مد صدقات کو دوسری مدات سے جدا رکھنے کا اہتمام

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اموال صدقات اگرچہ بیت المال میں جمع کئے جاتے تھے مگر ان کا حساب بالکل جدا تھا اور بیت المال کی دوسری مدات جیسے خمس غنیمت خمس معادن وغیرہ ان کا حساب جدا اور ہر ایک کے مصارف جدا تھے۔ جیسا کہ حضرات فقہا نے تصریح فرمائی ہے کہ اسلامی حکومت کے بیت المال میں چار مد علیحدہ علیحدہ رہنے چاہیں اور اصل حکم یہ ہے کہ صرف حساب علیحدہ رکھنا نہیں بلکہ ہر ایک مد کا بیت المال الگ ہونا چاہیئے تاکہ ہر ایک کو اس کے مصرف میں خرچ کرنے کی پوری احتیاط قائم رہے۔ البتہ اگر کسی وقت کسی خاص مد میں کمی ہو تو دوسرے مد سے بطور قرض لے کر اس پر خرچ کیا جا سکتا۔ یہ مدات بیت المال یہ ہیں۔

اول خمس غنائم یعنی جو مال بذریعہ جنگ حاصل ہو اس کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر کے باقی پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے۔ اور خمس معادن یعنی مختلف قسم کی کانوں سے نکلنے والی اشیاء میں سے

پانچواں حصّہ جو بیت المال کا حق ہے اور خمس رکاز یعنی جو قدیم شئے اگر کسی زمین سے برآمد ہو اس کا بھی پانچواں حصّہ بیت المال کا حق ہے یہ تینوں قسم کے خمس بیت المال کی ایک ہی مد میں داخل ہیں۔

دوسری مد صدقات ہیں۔ جس میں مسلمانوں کی زکوۃ۔ صدقہ الفطر۔ اور اُن کی زمینوں کا عشر داخل ہے۔

تیسری مد خراج اور مال فیئ ہے۔ جس میں غیر مسلموں کی زمینوں سے حاصل شدہ خراج اور اُن کا جزیہ اور اُن سے حاصل شدہ تجارتی ٹیکس اور تمام وہ اموال داخل ہیں جو غیر مسلموں سے ان کی رضامندی کے ساتھ مصالحانہ طور پر حاصل ہوں۔

چوتھی مد ضوائع کی ہے جس میں لاوارث مال۔ لاوارث شخص کی میراث وغیرہ داخل ہیں۔ ان چار مدات کے مصارف اگرچہ الگ الگ ہیں لیکن فقرا و مساکین کا حق ان چاروں مدات میں شامل رکھا گیا ہے۔ جس سے اندازہ لگایا جا سکتا کہ اسلامی حکومت میں قوم کے اس ضعیف عنصر کو قوی کرنے کا کس قدر اہتمام کیا گیا ہے۔ جو درحقیقت اسلامی حکومت کا طغرائے امتیاز ہے۔ اور دنیا کے عام نظاموں میں ایک مخصوص طبقہ ہی بڑھتا رہتا ہے غریب کو ابھرنے کا موقع نہیں ملتا جس کے ردعمل نے اشتراکیت اور کمیونزم کو جنم دیا مگر وہ بالکل ایک غیر فطری اصول ہے اور بارش سے بھاگ کر پرنالہ کے نیچے کھڑے ہو جانے کا مرادف اور انسانی اخلاق کے لئے سم قاتل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں چار بیت المال یا چار مدات کے لئے الگ الگ مقرر ہیں اور فقراء اور مساکین کا حق ان چاروں میں رکھا گیا ہے۔ ان میں سے پہلی تین مدوں کے مصارف خود قرآن کریم نے تفصیل کے ساتھ متعین فرما کر واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں۔ پہلی مد یعنی خمس غنائم اور ان کے مصارف کا بیان سورۂ انفال دسویں پارہ کے شروع میں مذکور ہے۔ اور دوسری مد یعنی صدقات کے مصارف کا بیان سورہ توبہ کی مذکورۃ الصدر ساٹھویں آیت میں آیا ہے جس کی تفصیل اس وقت زیر بحث ہے۔ اور تیسری مد جس کو اصطلاح میں مال فیئ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کا بیان سورہ حشر میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ اسلامی حکومت کے اکثر مدات فوجی اخراجات اور عمال حکومت کی تنخواہیں وغیرہ اسی مد سے خرچ کی جاتی ہیں۔ چوتھی مد یعنی لاوارث مال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور خلفاء راشدین کے تعامل سے اپاہج محتاجوں اور لاوارث بچوں کے لئے مخصوص ہے۔ (شامی کتاب الزکاۃ)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرات فقہا نے جو بیت المال کی چاروں مدات کو بالکل الگ الگ رکھنے اور اپنے اپنے مصارف میں خرچ کرنے کی ہدایات دی ہیں۔ یہ سب قرآنی ارشادات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پھر خلفاء راشدین کے تعامل سے واضح طور پر ثابت ہیں۔ خصوصاً صدقات دوسری مدات سے الگ رکھنا اور اس کو صرف غیر ہاشمی فقراء و مساکین کا حق قرار دینا اس حدیث صحیح سے بھی ثابت ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک کھجور اٹھا کر منہ میں رکھ لی تو آنحضرت صلی اللہ

نے اُن کے منہ سے اس لئے نکلوادی کہ یہ کھجور صدقہ کی تھی اور بنی ہاشم کے لئے صدقہ حلال نہیں۔ اگر صدقات کو بیت المال میں علیحدہ رکھنے کا دستور نہ ہوتا تو صدقات کی یہ خصوصیت کیسے باقی رہتی جبکہ یہ بھی ثابت ہے کہ بیت المال سے بنی ہاشم کو بھی وظائف دیئے جاتے تھے۔

اس ضمنی فائدہ کے بعد پھر اصل مسئلہ مولفہ القلوب کو سمجھئے کہ مذکور الصدر بیان میں محققین محدثین و فقہا کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مولفہ القلوب کا حصہ کسی کافر کو کسی وقت بھی نہیں دیا گیا نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں اور جن غیر مسلموں کو دینا ثابت ہے وہ مد صدقات وزکوۃ سے نہیں بلکہ خمس غنیمت میں سے دیا گیا ہے جس میں سے ہر حاجتمند مسلم و غیر مسلم کو دیا جا سکتا ہے تو مولفہ القلوب صرف مسلم رہ گئے اور اُن میں جو فقرا ہیں اُن کا حصہ بدستور باقی ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ اختلاف صرف اس صورت میں رہ گیا کہ یہ لوگ غنی صاحب نصاب ہوں تو امام شافعی امام احمد کے نزدیک چونکہ تمام مصارف زکوۃ میں فقر و حاجتمندی شرط نہیں اس لئے وہ مولفہ القلوب میں ایسے لوگوں کو بھی داخل کرتے ہیں جو غنی اور صاحب نصاب ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک عاملین صدقہ کے علاوہ باقی تمام مصارف میں فقر و حاجتمندی شرط ہے اس لئے مولفۃ القلوب کا حصہ بھی اُن کو اسی شرط کے ساتھ دیا جائے گا کہ وہ فقیر و حاجتمند ہوں۔ جیسے غارمین اور رقاب ابن السبیل وغیرہ سب میں اسی شرط کے ساتھ اُن کو زکوۃ دی

جاتی ہے کہ وہ اس جگہ حاجتمند ہوں گو وہ اپنے مقام میں مالدار ہوں اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولفۃ القلوب کا حصہ آئمہ اربعہ کے نزدیک منسوخ نہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بعض حضرات نے فقراء مساکین کے علاوہ کسی دوسرے مصرف کو فقر و حاجتمندی کے ساتھ مشروط نہیں کیا اور بعض نے یہ شرط کی ہے۔ جن حضرات نے یہ شرط رکھی ہے وہ مولفہ القلوب میں بھی صرف اُن لوگوں کو دیں گے جو حاجتمند اور غریب ہوں بہرحال یہ حصہ قائم اور باقی ہے (تفسیر مظہری)

یہاں تک صدقات کے آٹھ مصارف میں سے چار کا بیان آیا ہے اور چاروں کا حرف لام کے تحت بیان ہوا للفقرا والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبھم۔ آگے جن چار مصارف کا ذکر ہے اُن میں عنوان بدل کر لام کی جگہ حرف فی استعمال فرمایا۔ وفی الرقاب والغارمین زمخشری نے کشاف میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ آخری چار مصرف بہ نسبت پہلے چار کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ حرف فی ظرفیت کے لئے بولا جاتا ہے جس کی وجہ سے معنی یہ پیدا ہوتے ہیں کہ صدقات کو ان لوگوں کے اندر رکھ دینا چاہیئے۔ اور ان کے زیادہ مستحق ہونے کی وجہ ان کا زیادہ ضرورتمند ہونا ہے کیونکہ جو شخص کسی کا مملوک غلام ہے وہ بہ نسبت عام فقراء کے زیادہ تکلیف میں ہے اسی طرح جو کسی کا قرضدار ہے اور قرض خواہوں کا اُس پر تقاضا ہے وہ عام غربا فقرا سے زیادہ تنگی میں ہے کہ اپنے اخراجات کے فکر سے بھی زیادہ قرضداروں کے قرض کی فکر اس کے ذمہ ہے۔

ان باقیماندہ چار مصارف میں سب سے پہلے وفی الرقاب کا ذکر فرمایا ہے رقاب رقبہ کی جمع ہے اصل میں گردن کو رقبہ کہتے ہیں۔ عرف میں اُس شخص کو رقبہ کہدیا جاتا ہے جس کی گردن کسی دوسرے کی غلامی میں مقید ہے اس میں فقہا کا اختلاف ہے کہ رقاب سے مراد اس آیت میں کیا ہے جمہور فقہا و محدثین اس پر ہیں کہ اس سے مراد وہ غلام ہیں جن کے آقاؤں نے کوئی مقدار مال کی متعین کر کے کہدیا ہے کہ اتنا مال کما کر ہمیں دیدو تو تم آزاد ہو جس کو اصطلاح قرآن وسنت میں مکاتب کہا جاتا ہے۔ ایسے شخص کو آقا اس کی اجازت دیدیتا ہے۔ کہ وہ تجارت یا مزدوری کے ذریعہ مال کما۔ اور آقا کو لا کر دے۔ آیت مذکورہ میں رقاب سے مراد یہ ہے کہ اس شخص کو رقم زکوۃ میں سے حصہ دیکر اس کی گلوخلاصی میں امداد کی جائے۔

ان کے علاوہ دوسرے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا یا ان کے آقاؤں کو رقم زکوۃ دے کر یہ معاہدہ کرلینا کہ وہ اُن کو آزاد کردیں گے اس میں آئمہ فقہا کا اختلاف ہے جمہور آئمہ ابو حنیفہؒ شافعیؒ۔ احمد بن حنبلؒ وغیرہ اس کو جائز نہیں سمجھتے۔ اور حضرت امام مالکؒ بھی ایک روایت میں جمہور کے ساتھ متفق ہیں کہ فی الرقاب کو صرف مکاتب غلاموں کے ساتھ مخصوص فرماتے ہیں۔ اور ایک روایت امام مالکؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ فی الرقاب میں عام غلاموں کو داخل کر کے اس کی بھی اجازت دیتے ہیں۔ کہ رقم زکوۃ سے غلام خرید کر آزاد کئے جائیں۔ (احکام القرآن ابن عربی مالکی) جمہور آئمہ و فقہا جو اس کو جائز نہیں رکھتے اُن کے پیش نظر یہ اشکال ہے کہ

اگر زکوٰۃ سے غلام کو خرید کر آزاد کیا گیا تو اس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہیں آتی کیونکہ صدقہ وہ مال ہے جو کسی مستحق کو بلا معاوضہ دیا جائے۔ رقم زکوٰۃ اگر آقا کو دی جائے تو ظاہر ہے کہ نہ وہ مستحق زکوٰۃ ہے اور نہ اُس کو یہ رقم بلا معاوضہ کے دی جا رہی ہے۔ اور غلام جو مستحق زکوٰۃ ہے اُس کو یہ رقم دی نہیں گئی یہ الگ بات ہے کہ اس رقم کے دینے کا فائدہ غلام کو پہونچ گیا کہ اس سے خرید کر آزاد کر دیا۔ مگر آزاد کرنا صدقہ کی تعریف میں داخل نہیں ہوتا۔ اور حقیقی معنی کو بلا وجہ چھوڑ کر صدقہ کے مجازی معنی عام مراد لینے کا اس جگہ کوئی جواز نہیں۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ میں مصارف صدقات کے بیان کئے جا رہے ہیں۔ اس لئے فی الرقاب کا مصداق کوئی ایسی چیز نہیں بن سکتی۔ جس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہ آئے۔ اور اگر یہ رقم زکوٰۃ جو غلام کو دی جائے تو غلام کی کوئی ملک نہیں ہوتی۔ وہ خود بخود آقا کا مال بن جائے گا پھر آزاد کرنا نہ کرنا بھی اُس کے اختیار میں رہے گا۔

ان وجوہ سے جمہور آئمہ اور فقہا نے فرمایا کہ فی الرقاب سے مراد صرف غلام مکاتب ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صدقہ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ کسی مستحق کو مالک بنا کر اُس کے قبضہ میں دیدیا جائے۔ جب تک مستحق کا مالکانہ قبضہ اُس پر نہیں ہوگا۔ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی)

چھٹا مصرف، الغارمین غارم کی جمع ہے جس کے معنی مدیون یعنی قرضدار کے ہیں۔ یہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ پانچواں اور چھٹا مصرف جو حرف

فی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے استحقاق میں پہلے چاروں مصارف سے زیادہ ہیں۔ اس لئے غلام کی گلو خلاصی کے لئے یا قرضدار کو ادائی قرض کے لئے دینا عام فقراء مساکین کو دینے سے زیادہ افضل ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس قرضدار کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ قرض ادا کر سکے کیونکہ غارم لغت میں ایسے ہی قرضدار کو کہا جاتا ہے۔ اور بعض ائمہ فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ یہ قرض اُس نے کسی ناجائز کام کے لئے نہ کیا ہو۔ اور اگر کسی گناہ کے لئے قرض کر لیا جیسے شراب وغیرہ یا شادی غمی کی ناجائز رسمیں وغیرہ تو ایسے قرضدار کو مدز کوۃ سے نہ دیا جائے گا تاکہ اُس کی معصیت اور اسراف بیجا کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔ ساتواں مصرف فی سبیل اللہ ہے۔ یہاں پھر حرف فی کا اعادہ کیا گیا۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ اس اعادہ سے اس طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ مصرف پہلے سب مصارف سے افضل اور بہتر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دو فائدے ہیں ایک تو غریب مفلس کی امداد دوسرے ایک دینی خدمت میں اعانت کیونکہ فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی اور مجاہد ہے جس کے پاس اسلحہ اور جنگ کا ضروری سامان خریدنے کے لئے مال نہ ہو یا وہ شخص جس کے ذمہ حج فرض ہو چکا مگر اُس کے پاس اب مال نہیں رہا۔ جس سے وہ حج فرض ادا کرے۔

یہ دونوں کام خاص دینی خدمت اور عبادت ہیں اس لئے مال زکوۃ کو ان پر خرچ کرنے میں ایک مفلس کی امداد بھی ہے اور ایک عبادت کی ادائیگی میں تعاون بھی۔ اسی طرح حضرات فقہاء نے طالب علموں کو بھی

اس میں شامل کیا ہے کہ وہ بھی ایک عبادت کی ادائیگی کے لئے لیتے ہیں۔
(روح بحوالہ ظہیریہ) اور صاحب بدائع نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیک
کام یا عبادت کرنا چاہتا ہے اور اُس کی ادائیگی میں مال کی ضرورت ہے
تو وہ فی سبیل اللہ میں داخل ہے بشرطیکہ اُس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس
سے اس کام کو پورا کر سکے جیسے دین کی تعلیم اور تبلیغ اور اس کے لئے نشر و
اشاعت۔ کہ اگر کوئی غریب مستحق زکوٰۃ یہ کام کرنا چاہے تو اس کی امداد
مال زکوٰۃ سے کر دی جائے۔ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان تمام صورتوں
میں جو فی سبیل اللہ کی تفسیر میں مذکور ہیں فقر و حاجتمندی کی شرط ملحوظ ہے،
غنی صاحب نصاب کا اس مد میں بھی حصہ نہیں بجز اس کے کہ اُس کا موجودہ
مال اُس ضرورت کو پورا نہ کر سکتا ہو جو جہاد یا حج کے لئے درپیش ہے
تو اگرچہ بقدر نصاب مال موجود ہونے کی وجہ سے اُس کو غنی کہہ سکتے ہیں جیسا
کہ ایک حدیث میں اُس کو غنی کہا گیا ہے مگر درحقیقت وہ بھی اس اعتبار سے
فقیر و حاجتمند ہی ہو گیا کہ جس قدر مال جہاد یا حج کے لئے درکار ہے وہ اس
کے پاس موجود نہیں۔ فتح القدیر میں شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ آیت صدقات
میں جتنے مصرف ذکر کئے گئے ہیں ہر ایک کے الفاظ خود اس پر دلالت
کرتے ہیں کہ وہ فقر و حاجتمندی کی بناء پر مستحق ہیں۔ لفظ فقیر مسکین میں تو یہ
ظاہر ہی ہے رقاب غارمین فی سبیل اللہ ابن السبیل کے الفاظ
بھی اس طرف مشیر ہیں کہ ان کی حاجت کی بناء پر ان کو دیا جاتا ہے البتہ
عاملین کو بطور معاوضہ خدمت دیا جاتا ہے اسی لئے اُس میں غنی و فقیر

برابر ہیں۔

جیسے غارمین کے مصرف میں بیان کیا جاچکا ہے کہ جس شخص کے ذمہ دس ہزار روپیہ قرض ہے اور پانچ ہزار روپیہ اُس کے پاس موجود ہے تو اُس کو بقدر پانچ ہزار کے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کیونکہ جو مال اس کے پاس موجود ہے وہ قرض کی وجہ سے نہ ہونے کے حکم میں ہے۔

لفظ فی سبیل اللہ میں ایک عام مغالطہ اور اُس کا جواب

لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنی بہت عام ہیں جو کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کئے جائیں وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر و بیان اور آئمہ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لفظی ترجمہ کے ذریعہ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں یہاں اُن کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ دیکھکر زکوٰۃ کے مصارف میں اُن تمام کاموں کو داخل کر دیا جو کسی حیثیت سے نیکی یا عبادت ہیں۔ مساجد۔ مدارس۔ شفاخانوں۔ مسافرخانوں وغیرہ کی تعمیر۔ کنویں اور پُل اور سڑکیں بنانا اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات یہاں تک کہ سیاسی سفر اور نشر و اشاعت کے تمام کاموں کو انھوں نے فی سبیل اللہ میں داخل کر کے مصرف زکوٰۃ قرار دیدیا۔

جو خود اسلوب قرآنی کے لحاظ سے سراسر غلط اور اجماع امت کے خلاف ہے صحابہ کرام جنھوں نے قرآن کو براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے پڑھا اور سمجھا ہے اُن کی اور آئمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ کے متعلق منقول ہیں ان میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لئے مخصوص قرار دیا ہے ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے ایک اونٹ کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ اس اونٹ کو حجاج کے سفر میں استعمال کرو (مبسوط سرخسی ص۱۰ ج ۳) امام ابن جریر ابن کثیر قرآن کی تفسیر روایات حدیثیہ ہی سے کرنے کے پابند ہیں۔ ان سب نے لفظ فی سبیل اللہ کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لئے مخصوص کہا ہے کہ جن کے پاس جہاز یا حج کا سامان نہ ہو۔ اور جن حضرات فقہا نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و حاجتمند ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و حاجتمند تو خود ہی مصارف زکوٰۃ میں سب سے پہلا مصرف ہیں اُن کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل نہ کیا جاتا جب بھی وہ مستحق زکوٰۃ تھے۔ لیکن آئمہ اربعہ اور فقہا امت میں سے کسی نے نہیں کہا کہ رفاہ عام کے اداروں اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور اُن کی جملہ ضروریات مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں۔ بلکہ اس کے خلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مال زکوٰۃ ان چیزوں پر صرف کرنا جائز نہیں۔ فقہا حنفیہ میں سے شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط[۱] اور شرح سیر[۲] میں اور فقہا شافعیہ میں ابو عبید نے کتاب الاموال میں اور فقہا مالکیہ میں سے دردیر نے شرح مختصر خلیل[۳] میں اور فقہا حنابلہ میں موفق نے مغنی میں اسکو

۱؎ مبسوط ص۲۰۲ ج ۲ ۲؎ ص۴۴ ج ۴ ۳؎ شرح مختصر الخلیل ص۱۶۱ ج

پوری تفصیل سے لکھا ہے۔ آئمہ تفسیر اور فقہا امت کی تصریحات کے علاوہ اگر ایک بات پر غور کر لیا جائے تو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے وہ یہ کہ اگر زکوۃ کے مصرف میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام اطاعات وعبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ اس میں داخل ہو تو پھر قرآن میں ان آٹھ مصرفوں کا بیان (معاذ اللہ) بالکل فضول ہو جاتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جو پہلے اسی سلسلہ میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مصارف صدقات متعین کرنے کا کام نبی کو بھی سپرد نہیں کیا بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصرف متعین فرما دئے۔

اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات و نیکیاں داخل ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں زکوۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے تو معاذ اللہ یہ ارشاد نبوی بالکل غلط ٹھہرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی ترجمہ سے ناواقف کو جو سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے بلکہ مراد وہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور صحابہ و تابعین کی تصریحات سے ثابت ہے۔

آٹھویں مصرف ابن السبیل ہے۔ سبیل کے معنی راستہ اور ابن کا لفظ اصل میں تو بیٹے کے لئے بولا جاتا ہے لیکن عربی محاورات میں ابن اور اب اور آخ وغیرہ کے الفاظ ان چیزوں کے لئے بھی بولے جاتے ہیں جن کا گہرا تعلق کسی سے ہو۔ اسی محاورہ کے مطابق ابن السبیل راہ گیر مسافر کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا گہرا تعلق راستہ قطع کرنے اور منزل مقصود پر پہونچنے

سے ہے۔ اور مصارف زکوٰۃ میں اس سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس سفر میں بقدر ضرورت مال نہ ہو اگرچہ اُس کے وطن میں اُس کے پاس کتنا ہی مال ہو۔ ایسے مسافر کو مال زکوٰۃ دیا جا سکتا ہے جس سے وہ اپنے سفر کی ضروریات پوری کر لے اور وطن واپس جا سکے۔

یہاں تک اُن آٹھ مصارف کا بیان پورا ہو گیا جو آیت مذکورہ میں صدقات و زکوٰۃ کے لئے بیان فرمائے گئے ہیں۔ اب کچھ ایسے مسائل بیان کئے جاتے ہیں جن کا تعلق ان تمام مصارف سے یکساں ہے۔

مسئلہ تملیک

جمہور فقہا اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دیدیا جائے۔ بغیر مالکانہ قبضہ دیئے اگر کوئی مال انھیں لوگوں کے فائدے کے لئے خرچ کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔ اسی وجہ سے آئمہ اربعہ اور جمہور فقہا امت اس پر متفق ہیں کہ رقم زکوٰۃ کو مساجد یا مدارس یا شفا خانے۔ یتیم خانے کی تعمیر میں یا اُن کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ اُن فقرا اور دوسرے حضرات کو پہونچتا ہے جو مصرف زکوٰۃ ہیں مگر اُن کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوٰۃ اس سے ادا نہیں ہوتی۔ البتہ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کو کھانا کپڑا وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک رقم زکوٰۃ صرف ہو سکتی ہے۔ اسی طرح شفا خانوں میں جو دوا

حاجتمند غربا کو مالکانہ حیثیت سے دیدی جائے اُس کی قیمت رقم زکوٰۃ میں محسوب ہوسکتی ہے۔ اسی طرح فقہا امت کی تصریحات ہیں کہ لاوارث میت کا کفن رقم زکوٰۃ سے نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ رقم زکوٰۃ کسی غریب مستحق کو دیدی جائے اور وہ اپنی مرضی اور خوشی سے اس رقم کو لاوارث میت کے کفن پر خرچ کردے۔ اسی طرح اسی میت کے ذمہ قرض ہے تو اُس قرض کو رقم زکوٰۃ سے براہ راست ادا نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اُس کے وارث غریب مستحق زکوٰۃ ہوں تو اُن کو مالکانہ طور سے دیا جا سکتا ہے وہ اس رقم کے مالک ہوکر اپنی رضامندی کے ساتھ اس رقم سے میت کا قرض ادا کرسکتے ہیں۔ اسی طرح رفاہ عام کے سب کام جیسے کنواں یا پُل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر اگرچہ انکا فائدہ مستحقین زکوٰۃ کو بھی پہونچتا ہے مگر انکا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی ان مسائل میں چاروں امام مجتہد۔ ابوحنیفہ۔ شافعی۔ مالک احمد ابن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور فقہاء امت متفق ہیں شمس الائمہ سرخسی نے اس مسئلہ کو امام محمد کی کتابوں کی شرح مبسوط اور شرح سیر میں پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور فقہا شافعیہ مالکیہ حنابلہ کی عام کتابوں میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

فقیہ شافعی امام ابو عبید نے کتاب الاموال میں فرمایا کہ میت کی طرف سے اُس کے قرض کی ادائیگی یا اُس کے کفن و دفن کے اخراجات میں اور مساجد کی تعمیر میں نہر کھودنے وغیرہ میں مال زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ سفیان ثوری اور تمام آئمہ عراق اس پر متفق ہیں کہ اس میں خرچ کرلے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

کیونکہ یہ اُن آٹھ مصارف میں سے نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

اسی طرح فقیہ حنبلی موفق نے مغنی میں لکھا ہے کہ بجز اُن مصارف کے جن کا بیان قرآن کریم میں مذکور ہے اور کسی نیک کام میں مال زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں جیسے مساجد یا پلوں اور پانی کی سبیلوں کی تعمیر یا سڑکوں کی درستی یا مردوں کو کفن دینا یا مہمانوں کو کھانا کھلانا وغیرہ جو بلاشبہ موجب ثواب ہیں مگر مصارف صدقات میں داخل نہیں۔

ملک العلماء نے بدائع میں ادائگی زکوٰۃ کے لئے شرط تملیک کی یہ دلیل دی ہے کہ قرآن کریم میں عموماً زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا حکم لفظ ایتا کے ساتھ دیا گیا ہے۔ اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ - اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ آتوا حقہ یوم حصادہ وغیرہ اور لفظ ایتاء لغت میں عطا کرنے کے معنی میں آتا ہے امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا والایتاء الاعطاء وخص وضع الصدقۃ فی القرآن بالایتاء یعنی ایتاء کے معنی عطا فرمانے کے ہیں۔ اور قرآن میں صدقہ واجبہ ادا کرنے کو ایتاء کے لفظ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی کو کوئی چیز عطا کرنے کا مفہوم حقیقی یہی ہے کہ اُس کو اس چیز کا مالک بنادیا جائے۔ اور علاوہ زکوٰۃ وصدقات کے بھی لفظ ایتاء قرآن کریم میں مالک بنادینے ہی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً آتوا النساء صدقاتھن یعنی دیدو عورتوں کو اُن کے مہر۔ ظاہر ہے کہ مہر کی ادائیگی جبھی تسلیم ہوتی ہے جب رقم مہر بر عورت کو مالکانہ قبضہ دیدے۔

دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں زکوٰۃ کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے انما الصدقات للفقراء اور صدقہ کے حقیقی معنی ... [illegible] فقیر کا قبضہ ... [illegible]

اس کا مالک بنا دیا جائے۔

کسی کو کھانا کھلا دینا یا رفاہ عام کاکاموں میں خرچ کر دینا حقیقی معنی کے اعتبار سے صدقہ نہیں کہلاتا۔ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا کہ حقیقت صدقہ کی یہی ہے کہ کسی فقیر کو اس مال کا مالک بنا دیا جائے۔ اسی طرح امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ لفظ صدقہ تملیک کا نام ہے (جصاص ص ۱۵۲ ج ۲)

ادائی زکوٰۃ کے متعلق بعض اہم مسائل

مسئلہ صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو صدقات وصول کرنیکے بارے میں یہ ہدایت دی تھی کہ خذ ھا من اغنیا ئھم ورد ھا فی فقرا ئھم یعنی صدقات مسلمانوں کے اغنیا سے لیکر انھیں کے فقراء میں صرف کردو۔ اسکی بنا پر فقہا رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ بلا ضرورت ایک شہر یا بستی کی زکوٰۃ دوسرے شہر یا بستی میں نہ بھیجی جائے بلکہ اسی شہر اور بستی کے فقرا اسکے زیادہ حقدار ہیں۔ البتہ اگر کسی شخص کے عزیز قریب غریب ہیں اور وہ کسی دوسرے شہر میں ہیں تو اپنی زکوٰۃ انکو بھیج سکتا ہو کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسمیں دوہرے اجر و ثواب کی بشارت دی ہے۔ اسی طرح اگر کسی دوسری بستی کے لوگوں کا فقر و فاقہ اور اپنے شہر سے زیادہ ضرورت معلوم ہو تو بھی وہاں بھیجا جا سکتا ہے کیونکہ مقصد صدقات کا فقرا کی حاجت رفع کرنا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت معاذ یمن کے صدقات میں اکثر کپڑے لیا کرتے تھے تاکہ فقرا مہاجرین کیلئے مدینہ طیبہ بھیجدیں۔ (قرطبی بحوالہ دار قطنی) اگر ایک شخص خود کسی شہر میں رہتا ہے مگر اُس کا مال دوسرے شہر میں ہے تو جس شہر میں خود رہتا ہے اُسکا اعتبار ہوگا کیونکہ اداء زکوٰۃ کا مخاطب یہی شخص ہے۔ (قرطبی)

مسئلہ جس مال کی زکوٰۃ واجب ہے اُسکی ادائیگی کیلئے یہ بھی جائز ہے کہ اُسی مال کا چالیسواں حصہ نکال کر مستحق کو دیدے جیسے تجارتی کپڑا۔ برتن۔ فرنیچر وغیرہ اور یہ بھی ہے کہ مقدار زکوٰۃ مال کی قیمت نکالکر وہ مستحقین میں تقسیم کرے احادیث صحیحہ سے ایسا کرنا ثابت ہے (قرطبی)

اور بعض آئمہ فقہاء نے فرمایا کہ اس زمانہ میں نقد قیمت ہی دینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ فقراء کی ضرورتیں مختلف اور کثیر ہیں نقد پیسوں سے ہر ضرورت میں کام لے سکتا ہے۔

مسئلہ۔ اگر اپنے عزیز غریب لوگ مستحق زکوۃ ہوں تو ان کو زکوۃ وصدقات دینا زیادہ بہتر اور دوہرا ثواب ہے ایک ثواب صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ اُن کو یہ جتلا کر دے کہ صدقہ یا زکوۃ دے رہا ہوں کسی تحفہ یا ہدیہ کے عنوان سے بھی دیا جا سکتا ہے تاکہ لینے والے شریف آدمی کو اپنی خفت محسوس نہ ہو۔

مسئلہ۔ جو شخص اپنے آپ کو اپنے قول یا عمل سے مستحق زکوۃ حاجتمند ظاہر کرے اور صدقات زکوۃ وغیرہ کا سوال کرے کیا دینے والوں کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسکے حقیقی حالات کی تحقیق کریں اور بغیر اسکے صدقہ نہ دیں۔ اسکے متعلق روایات حدیث اور اقوال فقہاء میں کہ اسکی ضرورت نہیں بلکہ انکے ظاہر حال سے اگر یہ گمان غالب ہو کہ یہ شخص حقیقت میں فقیر حاجتمند ہے تو اُس کو زکوۃ دی جا سکتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ نہایت شکستہ حال آئے آپ نے اُن کے لئے لوگوں سے صدقات جمع کرنے کیلئے فرمایا۔ کافی مقدار جمع ہو گئی تو وہ ان کو دیدی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ ان لوگوں کے اندرونی حالات کی تحقیق فرماتے۔ (قرطبی)

البتہ قرطبی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ مصارف صدقات میں سے ایک مدیون بھی ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے ذمہ اتنا قرض ہے اُس کی ادائیگی کیلئے مجھے زکوۃ کی رقم دیدی جائے تو اس قرض کا ثبوت اُس سے طلب کرنا چاہیئے (قرطبی) اور ظاہر یہ ہے کہ غارم فی سبیل اللہ ابن السبیل وغیرہ میں بھی ایسی تحقیق کر لینا دشوار نہیں

ان مصارف میں حسب موقع تحقیق کر لینا چاہیئے۔

مسئلہ۔ مال زکوۃ اپنے عزیزوں رشتہ داروں کو دینا زیادہ ثواب ہے، مگر میاں بیوی اور والدین و اولاد۔ آپس میں ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے وجہ یہ ہے کہ ان کو دینا ایک حیثیت سے اپنے ہی پاس رکھنا ہے کیونکہ ان لوگوں کے مصارف عموماً مشترک ہوتے ہیں شوہر نے اگر بیوی کو یا بیوی نے شوہر کو اپنی زکوۃ دیدی تو درحقیقت وہ اپنے ہی استعمال میں رہی اسی طرح والدین اور اولاد کا معاملہ ہے۔ اولاد کی اولاد۔ اور دادا پردادا کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کو زکوۃ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ۔ اگر کسی شخص نے کسی شخص کو اپنے گمان کے مطابق مستحق اور مصرف زکوۃ سمجھ کر زکوۃ دیدی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اسی کا غلام یا کافر تھا تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی دوبارہ دینا چاہیئے۔ کیونکہ غلام کی ملکیت تو آقا ہی کی ملکیت ہوتی ہے۔ وہ اس کی ملک سے نکلا ہی نہیں اس لئے زکوۃ ادا نہیں ہوئی۔ اور کافر کو صدقات زکوۃ دیدینا موجب ثواب نہیں۔ اس کے علاوہ اگر بعد میں یہ ثابت ہو کہ جس کو زکوۃ دی گئی ہے وہ مالدار یا سید ھاشمی یا اپنا باپ یا بیٹا۔ یا بیوی یا شوہر ہے تو زکوۃ کے اعادہ کی ضرورت نہیں کیونکہ رقم زکوۃ اس کی ملک سے نکل کر محل ثواب میں پہونچ چکی ہے اور تعیین مصرف میں جو غلطی کسی اندھیرے یا مغالطہ کی وجہ سے ہوگئی وہ معاف ہے۔ (درمختار) آیت صدقات کی تفسیر اور اس کے متعلقہ مسائل کی تفصیل بقدر ضرورت پوری ہوگئی وللہ الحمد اولہ وآخرہ وعلانیتہ وسرہ۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۹ ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۱ھ

أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ

احکامِ زکوٰۃ

مُصَنّفہ

مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی مدرس دارالعلوم کراچی

بتصدیق

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ

ناشر

اِدَارَۃُ المَعَارِف

سبیلہ چوک کراچی نمبر ۵

مطابع سعیدی قرآن محل کراچی

تصدیق و تقریظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احقر نے رسالہ احکامِ زکوٰۃ مولفہ برخوردار عزیز مولوی محمد رفیع سلمہٗ جو میری ہی فرمائش پر لکھا گیا ہے پورا دیکھا ما شاء اللہ مسائل سب صحیح مستند کتابوں کے حوالہ سے سلیس عام فہم زبان میں جمع کر دئیے ہیں اس میں زکوٰۃ کے ضروری احکام و مسائل پوری تفصیل سے آ گئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ قبول فرمائیں اور مؤلف سلمہٗ کے علم، عمل اور عمر میں ترقیات عطا فرما دیں۔ آمین

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۲۱ر شعبان ۱۳۸۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

زکوٰۃ کے احکام و مسائل کی ضرورت و اہمیت محتاجِ بیان نہیں خصوصاً اس زمانہ میں کہ دین اور علم دین سے ناواقفیت اور اس کے ساتھ بے پروائی طوفان کی طرح بڑھ رہی ہے۔ بعض حضرات نے والد محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ سے درخواست کی کہ سہل اردو زبان میں احکام زکوٰۃ لکھ کر شائع کئے جاویں۔ ممدوح کو ہجوم مشاغل کی وجہ سے فرصت نہ تھی اس لئے اس ناکارہ کو اس کام کے لئے مامور فرمایا۔ اپنی علمی بے مائگی کے ساتھ دارالعلوم میں درس و تدریس کی خدمت اور سالانہ امتحان کا زمانہ تھا۔ مگر تعمیل ارشاد کو سرمایۂ سعادت سمجھ کر جو کچھ ہو سکا لکھ کر پیش کر دیا۔ اور موصوف کی نظر و اصلاح کے بعد اب اس کو شائع کیا جاتا ہے۔ مسائل لکھنے میں اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ زبان زیادہ سے زیادہ سہل اور عام فہم ہو۔ اور اس کے لئے جگہ جگہ الفاظ کی خوبصورتی کو بھی چھوڑ دینا پڑا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کم پڑھے لکھے اشخاص بھی یہ مسائل بآسانی سمجھ سکیں۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

بندہ محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

مدرس دارالعلوم کراچی

اصطلاحات و تعریفات

قرآن و حدیث میں زکوٰۃ و صدقات کے متعلق چند الفاظ بار بار آئے ہیں۔ زکوٰۃ ۔ صدقہ ۔ انفاق فی سبیل اللہ۔ الحام ۔ اسی طرح کتب فقہ میں زکوٰۃ ۔عشر۔ خمس ۔ نصاب وغیرہ کے اصطلاحی الفاظ بار بار استعمال ہوتے ہیں۔ شروع میں ان کی تعریف اور معنی لکھے جاتے ہیں تاکہ متعلقہ مسائل کے سمجھنے میں سہولت ہو۔

زکوٰۃ اس کے لغوی معنی بڑھنے اور پاک ہونے کے ہیں۔ مگر بقول امام راغب اصفہانی ہر بڑھوتری کو زکوٰۃ نہیں کہا جاتا۔ بلکہ ایسی معنوی زیادتی کو زکوٰۃ کہتے ہیں جو منجانب اللہ بطور برکت کے ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر طہارت اور پاکی کو زکوٰۃ نہیں کہتے بلکہ اس باطنی اور معنوی پاکی کو کہتے ہیں جو منجانب اللہ کسی کو حاصل ہو۔ انسان اختیاری طور پر اپنے بدن یا کپڑے وغیرہ کو پاک کرے تو زکوٰۃ نہیں کہلاتی ۔ قرآن و سنت کی اصطلاح میں زکوٰۃ اُس حصہ مال کو کہا جاتا ہے جو فی سبیل اللہ بطور فریضہ مالیہ کے نکالا جائے۔ اس کو زکوٰۃ کہنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ حسب تصریح قرآن و حدیث زکوٰۃ نکالنا مال میں برکت و زیادتی کا سبب ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ زکوٰۃ نکالنے

سے انسان کو باطنی پاکی حاصل ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن و سنت کی اصطلاح میں زکوٰۃ اس حصۂ مال کو کہا جاتا ہے جس کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا انسان پر فرض کیا گیا ہے۔ کتب فقہ میں بھی زکوٰۃ اسی معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

صدقہ یہ لفظ صدق سے ماخوذ ہے جس کے معنی سچ اور سچائی کے ہیں۔ صدقہ اُس مال کو کہا جاتا ہے جو سچّے دل سے خالص رضاء الٰہی کے لئے خرچ کیا جائے۔ یہ لفظ قرآن و سنّت کی اصطلاح میں عام ہے صدقہ واجبہ زکوٰۃ عشر۔ صدقۃ الفطر کو بھی صدقہ کہا جا سکتا ہے اور نفلی طور پر بغرض ثواب کچھ مزید خرچ کیا جائے اس کو بھی صدقہ کہتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں فرض و نفل دونوں قسم کے لئے لفظ صدقہ کا استعمال بکثرت معروف ہے۔ کتب فقہ میں بھی اسی طرح یہ لفظ عام معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

بلکہ حدیث میں تو اس کا استعمال اس سے بھی زیادہ عام معنی میں ہر نیک کام کے لئے کیا گیا ہے کسی سے ہنس کر بولنے کو کسی کا بوجھ اٹھوا دینے وغیرہ کو بھی حدیث میں صدقہ فرمایا ہے۔

خیرات یہ لفظ جس معنی کے لئے اُردو زبان میں بولا جاتا ہے قرآن و حدیث میں اس معنی کے لئے اس کا استعمال نہیں ہوا۔ ہمارے عرف و محاورہ میں لفظ خیرات بھی صدقات ہی کے معنی میں بولا جاتا ہے جو فرض و نفل ہر طرح کے صدقات پر حاوی ہے۔

انفاق واطعام۔ انفاق کے لفظی معنی خرچ کرنے کے اور اطعام کے معنی کھانا کھلانے کے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ بھی صدقہ کی طرح عام معنی میں استعمال ہوا ہے۔ فرض وواجب کے لئے بھی اور نفل و تبرع کیلئے بھی

عشر فقہ میں زرعی زمینوں کی پیداوار پر جو شرعی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کو عشر کہتے ہیں۔ اسی طرح تجارتی اموال کی زکوٰۃ جو راستوں پر چوکیاں بٹھا کر وصول کیجاتی ہے اس کو بھی عشر کہا جاتا ہے۔ اس کو زکوٰۃ کے لفظ سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

خمس وہ پانچواں حصہ مال کا ہے جو مالِ غنیمت میں سے بیت المال کے لئے نکالا جائے یا معادن یعنی مختلف قسم کی کانوں سے نکلنے والی اشیاء کا پانچواں حصہ بطور حق فقراء بیت المال میں جمع کیا جائے۔

نصاب اصطلاح فقہ میں اس مقدار مال کو کہا جاتا ہے جس کے مالک کو عرف شرع میں مالدار سمجھا جاتا ہے جیسے ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا، وغیرہ۔

زکوۃ کی فرضیت واہمیت

اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن زکوۃ بھی ہے۔ قرآن کریم نے جابجا زکوۃ کو صلوۃ کے ساتھ لگایا ہے۔ اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ۔ واقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ وغیرہ سارے قرآن میں پھیلے ہوئے الفاظ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فرائض میں سب سے مقدم نماز اور اس کے بعد زکوۃ ہے۔

بتصریح قرآن وسنت وباجماع امت جس شخص میں شرائط زکوۃ پائی جائیں زکوۃ اُس پر فرض ہے جو اس کے فرض ہونے کا انکار کرے وہ مسلمان نہیں۔ اور جو فرض ہونا تسلیم کرنے کے باوجود زکوۃ ادا نہ کرے وہ سخت گناہ گار فاسق ہے۔

تاریخ زکوۃ

ازروئے قرآن وسنت صحیح یہ ہے کہ زکوۃ کا فریضہ مسلمانوں پر مکہ مکرمہ ہی میں نماز کے ساتھ عائد ہو چکا تھا جیسا کہ مکی سورتوں میں زکوۃ کے احکام سے ثابت ہوتا ہے اور امام تفسیر ابن کثیر وغیرہ نے اسکی تصریح فرمائی ہے۔ البتہ نصابِ زکوۃ اور مقدارِ زکوۃ اور مصارفِ زکوۃ کے

تعینات اور اُن کی وصولیابی کا سرکاری انتظام مدینہ طیبہ میں پہونچنے کے بعد تدریجاً ہوا ہے۔ ۲ھ میں صدقۃ الفطر واجب کیا گیا۔ اور اس کے بعد سرکاری طور پر زکوٰۃ و عشر وغیرہ وصول کرنے کے لئے مدینہ کی اسلامی حکومت کی طرف سے عمّال مقرر ہوئے اور اس طرح کے تمام اموالِ صدقہ بیت المال میں جمع کر کے فقراء و مساکین پر صرف کرنے کا اہتمام ہوا۔

زکوٰۃ نماز کی طرح ایک مالی عبادت ہے۔ جس کا ادا کرنا ہر مالدار کے ذمہ ہر حال میں ضروری ہے۔ کوئی اسلامی حکومت اور اسلامی بیت المال اس کو وصول کرنے والا ہو یا نہ ہو۔ پچھلے انبیاء کی تمام شریعتوں میں بھی نماز کی طرح زکوٰۃ کی پابندی فرض تھی۔ مگر اُن پچھلی شریعتوں میں مال زکوٰۃ کو فقراء و مساکین کی ضرورتوں میں خرچ کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ اس کو کسی جگہ میں رکھ دیا جاتا تھا جس کو آسمانی بجلی آ کر جلا دیتی تھی یہی قبولیت زکوٰۃ کی علامت تھی۔

اُمّتِ مرحومہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کی اجازت دیدی کہ اس مال کو مسلمانوں کے فقراء و مساکین پر خرچ کیا جائے۔ اُمّت کے فقراء و مساکین کی مشکلات کو حل کرنے کا یہ ایسا بہترین طریقہ ہے کہ اگر زکوٰۃ کو صحیح طور پر نکالا جائے اور اس کے صحیح مصرف پر خرچ کرنے کا اہتمام کیا جائے تو بقول بعض اہل یورپ کے ایک مسلمان بھی ننگا بھوکا نہیں رہ سکتا۔

زکوٰۃ کے معاملہ میں غفلت

مگر افسوس یہ ہے کہ آجکل عام جہالت و غفلت کی بنا پر بہت سے مسلمان تو زکوٰۃ نکالتے ہی نہیں اور جو زکوٰۃ نکالتے ہیں وہ صرف زکوٰۃ کا نکالنا کافی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم نے صرف زکوٰۃ اپنی جیب سے نکالنے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کو مستحقین تک پہونچانے اور ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ قرآنی ارشاد اتوالزکوٰۃ کے معنی زکوٰۃ نکالنے کے نہیں بلکہ ادا کرنے کے ہیں۔ اور ادا کرنا اسی کو کہا جاتا ہے کہ جس کا حق ہے اس کو پہونچایا جائے۔ محض اپنے پاس سے نکال دینے اور کسی کو دیدینے سے حق ادا نہیں ہوتا جیسا کہ دنیوی قرضوں میں ہر شخص جانتا ہے جو قرض کسی کا کسی کے ذمہ ہے وہ محض جیب سے نکال دینے پر ادا نہیں ہو جاتا جب تک قرضخواہ تک پہونچا کر اس کا مالکانہ قبضہ نہ کرادیا جائے، قرض سے سبکدوشی نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب تک زکوٰۃ مستحقین زکوٰۃ کو نہ پہونچائی جائے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اس میں عام طور پر زکوٰۃ نکالنے والے مسلمان بڑی غفلت کے شکار ہیں کہ مستحقین کی تلاش و تحقیق کئے بغیر رقم زکوٰۃ کسی کو دیکر آپ کو سبکدوش سمجھ لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ غیر مستحق لوگ زکوٰۃ و صدقات پر قابض ہو جاتے ہیں۔ اور مستحقین افلاس و مصیبت کا شکار رہتے ہیں۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا عذاب

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ :-

۱- وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۙ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ط ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ ۝ (سورہ توبہ پ۱۰)

ترجمہ - جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے - (یعنی زکوٰۃ نہیں نکالتے) سو آپ ان کو ایک بڑی درد ناک سزا کی خبر سُنا دیجئے جو کہ اس روز واقع ہو گی جبکہ اس سونے چاندی کو دوزخ کی آگ میں پہلے تپایا جائے گا پھر اس سونے چاندی سے اُن لوگوں کی پیشانیوں ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا (اور یہ جتلایا جائے گا) کہ یہ وہی ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کر کے رکھا تھا - بس اَب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو -

۲- رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :-

مَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّکوٰۃَ اِلَّا ابْتَلَاھُمُ اللّٰہُ بِالسِّنِیْنَ (جمع الفوائد صفحہ ۱۴۲)

جو قوم زکوٰۃ نہیں نکالتی اللہ تعالےٰ اُسے قحط سالی یعنی ضروریات زندگی

کی گرانی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے :-

من اٰتاہُ اللہ مالاً فلم یُؤدّ زکوتہٗ مثّل لہ مالہٗ یوم القیامۃ شجاعًا اقرع لہٗ زبیبتانِ یطوّقہٗ یوم القیامۃ ثم یاخذ بلھزمتیہ یعنی بشدقیہ ثم یقول انا مالک انا کنزک

(بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۱۸۸)

جس کو اللہ نے مال دیا اور اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن اس کے مال کو بڑا زہریلا گنجا سانپ بنا دیا جائے گا۔ وہ سانپ اس کی گردن میں لپٹ جائے گا پھر اس کے دونوں جبڑے نوچیگا اور کہے گا' میں ہی تیرا مال ہوں۔ میں ہی تیرا خزانہ ہوں۔

۴۔ آپ کا ایک اور ارشاد ہے کہ ہر صبح کو دو فرشتے آسمان سے اُترتے ہیں ایک یہ دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ سخی کو اس کے مال کا بدل عطا فرما۔ دُوسرا دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ بخیل کو ہلاکت نصیب کر (بخاری ومسلم)

۵۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خورتوں کے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے۔ تو ان سے پُوچھا کہ "ان کی زکوٰۃ دیتی ہو یا نہیں؟" اُنہوں نے عرض کیا کہ "نہیں" تب آپ نے فرمایا کہ "کیا تم کو یہ پسند ہے کہ اس کے بدلے میں تم کو آگ کے کنگن پہنائے جائیں؟" اُنہوں نے عرض کیا "نہیں" آپ نے فرمایا تو اس کی زکوٰۃ دیا کرو (ترمذی)

۶۔ قیامت کے دن جو سات آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے ان میں سے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم

نے اس شخص کو بھی بیان فرمایا ہے جو ایسا چھپا کر صدقہ دے کہ اسکے دُوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہو (بخاری)

زکوٰۃ کس قسم کے مال پر فرض ہے

پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان پر مالی فرض بہت کم سے کم ڈالا ہے اوّل تو ہر مال پر زکواۃ نہیں بلکہ صرف اُس مال پر ہے جو عادۃً بڑھتا رہتا ہے جیسے مال تجارت یا مویشی یا سونا چاندی۔ کیونکہ سونے چاندی کو اسلام نے ذریعہ تجارت ہی قرار دیا ہے خواہ کوئی اس کو زیور بنا کر رکھے۔ یا سونے چاندی کے ٹکڑے بند کر کے رکھے۔ مگر شرعًا وہ مال تجارت ہی ہے۔ اس لئے سونے چاندی پر خواہ وہ کسی صورت میں ہو زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اموال کے علاوہ اموال کی ان تین قسموں کے علاوہ مکان دُوکان برتن فرنیچر اور دُوسرے گھریلو سامان۔ ملوں اور کارخانوں کی مشینری جواہرات خواہ کتنی قیمت کے ہوں ان پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ ہاں ان میں سے کوئی چیز فروخت کرنے کے قصد سے خریدی ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ دُوسری بات یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مال کی مذکورہ تین قسموں میں بھی مال کا مالک ہوتے ہی زکوٰۃ فرض نہیں ہو جاتی بلکہ سال بھر تک اسمیں جتنا جی چاہے جہاں چاہے خرچ کرتا رہے آخر سال میں کھانے پینے۔ برتنے اور تمام اخراجات ضروری یا غیر ضروری سے جتنا مال بچ رہے اور اس پر صرف

چالیسواں حصہ مال کا بطور زکوٰۃ فرض ہوتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ زکوٰۃ انکم ٹیکس کی طرح آمدنی پر ** نہیں بلکہ اصل سرمایہ پر ہے۔ لیکن سرمایہ میں سے خرچ کرلینے پر انکم ٹیکس کے قواعد کی طرح کوئی پابندی نہیں۔ اگر کوئی شخص سارا مال سال بھر میں خرچ کر ڈالے تو اس پر کوئی زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی۔

ایک چوتھی قسم مالِ زکوٰۃ کی زرعی زمین اور باغات کی پیداوار بھی ہے مگر اس کو فقہا کی اصطلاح میں عُشر کہا جاتا ہے۔ اس لئے اس کو احکام زکوٰۃ کے بعد عشر ہی کے عنوان سے لکھا جائے گا۔ اور اموال زکوٰۃ کی مذکورہ تین قسموں میں سے چونکہ مویشی کی زکوٰۃ کے معاملات خاص خاص لوگوں کو پیش آتے ہیں اس لئے اس مختصر رسالہ میں اسکی تفصیل دینے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ اس میں صرف مال تجارت اور سونے چاندی اور روپیہ کے احکام اور پھر عُشرِ اراضی کے احکام بیان ہوں گے۔ یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جن اموال پر شریعت اسلام نے زکوٰۃ عائد کی ہے ان میں بھی مطلقاً ہر شخص پر ہر حال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے بلکہ اس کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں جہاں ان شرائط میں سے کوئی شرط معدوم ہوگی وہاں زکوٰۃ فرض نہ رہے گی۔

شرائطِ زکوٰۃ

(۱) زکوٰۃ دہندہ کا مسلمان ہونا - کافر پر زکوٰۃ نہیں (کما فی عامۃ المتون)

(۲) بالغ ہونا۔ نابالغ بچوں کی ملکیت میں کتنا ہی مال ہو ان پر یا ان کے اولیار (سرپرستوں) پر اس کی زکوٰۃ نہیں (ہدایہ)

(۳) عاقل ہونا۔ مجنون کے مال پر زکوٰۃ نہیں۔ جبکہ اس کا جنون سال بھر مسلسل رہے (درمختار و شامی)

(۴) آزاد ہونا۔ چنا بچہ زرخرید غلام پر زکوٰۃ نہیں (کما فی عامۃ المتون)

(۵) اس مال کا مکمل مالک ہونا جس شخص کے قبضہ میں کوئی مال ہے۔ مگر وہ اس کا مالک نہیں۔ اس پر زکوٰۃ نہیں۔ (درمختار ج ۲)

(۶) مال کا بقدر نصاب ہونا۔ نصاب سے کم مال پر زکوٰۃ نہیں نصاب کی تفصیل آگے آتی ہے۔ (درمختار ج ۲)

(۷) اس مال کا ضروریات اصلیہ سے زائد ہونا۔ اس لئے جو چیزیں انسان کی ضروریات زندگی میں داخل ہیں جیسے رہنے کا مکان۔ پہننے کے کپڑے۔ برتنے کے برتن یا فرنیچر یا سواری کی موٹر گاڑی وغیرہ۔ ان پر زکوٰۃ نہیں (کما فی عامۃ المتون)

(۸) اس مال پر پورا ایک سال گذر جانا۔ سال بھر گذرنے سے پہلے کسی مال پر زکوٰۃ نہیں (ہدایہ ج ۱)

(۹) مال کا نامی یعنی بڑھنے والا ہونا۔ جیسے تجارتی مال یا سونا چاندی یا مویشی وغیرہ اور جو مال نامی نہیں ہے اگرچہ ضرورت سے زائد بھی ہو اس پر زکوٰۃ نہیں جیسے ایک سے زائد مکان یا موٹر یا غیر ضروری برتن اور فرنیچر وغیرہ۔

یہ تمام شرائط تفصیل کے ساتھ بدائع الصنائع اور فقہ کی عام کتب میں مذکور ہیں اب ہر قسم کے مال کی زکوٰۃ کے احکام علیحدہ علیحدہ تفصیل کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔

سونے چاندی کی زکوٰۃ

۱۔ سونے کا نصاب زکوٰۃ ساڑھے سات تولہ ہے، اور چاندی کا ساڑھے باون تولہ۔ چنانچہ اگر کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی، یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو اور ایک سال تک باقی رہے تو سال گذرنے پر اس کی زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ اور اگر اس سے کم ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ اور اگر اس سے زائد ہو: تب بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ (ہدایہ ج ۱)

۲۔ چاندی یا سونے کے زیور، برتن اور سچا گوٹہ ٹھپّہ سب پر زکوٰۃ فرض ہے۔ چاہے یہ زیور وغیرہ استعمال میں رہتے ہوں یا بیکار رکھے ہوں۔ غرض یہ کہ سونے یا چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ فرض ہے البتہ اگر مقدارِ نصاب سے کم ہو تو زکوٰۃ فرض نہیں (ہدایہ ج ۱)

۳۔ سونا چاندی اگر خالص نہ ہو بلکہ اُس میں کچھ کھوٹ ملا ہو تو

ع سونے اور چاندی کے مذکورہ وزن کی علمی تحقیق مطلوب ہو تو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کی بے نظیر تصنیف "اوزانِ شرعیہ" ملاحظہ فرمائیں۔
ملنے کا پتہ:۔ ادارہ المعارف۔ اشرف منزل متصل سبیلہ چوک۔۔۔ کراچی ۵

غالب جزو کا اعتبار ہو گا۔ سونا چاندی غالب ہو تو وہ سونا چاندی سمجھا جائے گا اور زکوٰۃ فرض ہو گی، اور اگر کھوٹ زیادہ ہو، مثلاً ایک تولہ میں ۳ ماشہ سونا یا چاندی ہو اور نو ماشہ کھوٹ ہو تو وہ سونا یا چاندی نہیں سمجھا جائے گا اور اس پر زکوٰۃ بجز اس صورت کے فرض نہ ہو گی کہ یہ "مال تجارت" کے طور پر رکھا ہو۔عـــه گلٹ کے سکّے روپیہ اور ریزگاری پر بھی اسی لئے زکوٰۃ فرض ہے کہ وہ لین دین ہی کے لئے ہوتے ہیں۔

۴۔ کسی کے پاس نہ تو پوری مقدار سونے کی ہے اور نہ پوری مقدار چاندی کی، بلکہ کچھ سونا اور کچھ چاندی ہے تو اگر دونوں کی قیمت ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہے۔ اور اگر دونوں چیزیں اتنی کم کم ہیں کہ دونوں کی قیمت ملا کر بھی مقدار نصاب کی برابر نہیں ہوتی تو زکوٰۃ فرض نہیں۔ اور اگر سونے اور چاندی دونوں کی مقدار پوری پوری ہے تو قیمت لگانے کی ضرورت نہیں، بلکہ چاندی کی زکوٰۃ اس کا حساب کر کے الگ دیں اور سونے کی زکوٰۃ اسکا حساب کر کے علیحدہ دیں۔ (ہدایہ، وعامۃ المتون)

۵۔ کسی کے پاس سو تولہ چاندی رکھی تھی پھر سال گزرنے سے پہلے دو چار تولہ یا نو دس تولہ سونا بھی مل گیا تو اس کا حساب علیحدہ نہیں کیا جائے گا بلکہ اس چاندی کے ساتھ ہی ملا کر اس کا بھی حساب ہو گا، چنانچہ جب اس چاندی کا سال پورا ہو گا تو یہ سمجھا جائیگا

عـــه ہدایہ ج اول۔ ۱۲ منہ

بعد میں ملے ہوئے سونے کا بھی سال پورا ہو گیا، چنانچہ اس پورے سونے اور چاندی کی زکوٰۃ فرض ہو گی۔ (ہدایہ ج ۱)

۶۔ کسی کے پاس سو تولہ چاندی رکھی تھی، پھر سال پورا ہونے سے پہلے دو چار تولہ یا پچاس ساٹھ تولہ چاندی اور مل گئی تو یہاں بھی یہی سمجھا جائے گا کہ اس پوری چاندی پر سال گذر گیا، چنانچہ اس پوری چاندی کی زکوٰۃ فرض ہو گی۔ بعد میں ملنے والی چاندی کا سال علیحدہ شمار نہیں کیا جائے گا۔ (ہدایہ ج اول)

خلاصہ یہ ہے کہ درمیان سال میں مال کے گھٹنے یا بڑھنے کا زکوٰۃ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ سال کے ختم پر جتنا مال موجود ہو گا اس پورے مال پر زکوٰۃ آئے گی۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص کے پاس سال بھر تک صرف ایک ہزار روپیہ تھا یا اس کی قیمت کا سونا چاندی مگر سال پورا ہونے سے چند دن پہلے اس کو نو ہزار روپیہ یا اس قیمت کا سونا چاندی مل گیا تو زکوٰۃ پورے دس ہزار کی ادا کرنا ہو گی۔

۷۔ پہننے کے کپڑے خواہ کتنے ہی زیادہ اور قیمتی ہوں ان پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ لیکن اگر ان پر سچا کام ہے تو اس کام میں جتنی چاندی نکل سکتی ہے اس کا اندازہ کر کے مال زکوٰۃ میں شامل کرنا اور اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہو گا مثلاً ایک شخص کے پاس سو تولہ چاندی ہے اور دس تولہ سچے کام میں لگی ہوئی چاندی ہے تو ایک سو دس تولہ چاندی کی زکوٰۃ فرض ہو گی۔ یا دو تولہ سونا ہے اور دس تولہ چاندی کا کام ہے،

تو دو تولہ سونے کی قیمت سے جتنی چاندی خریدی جاسکتی ہے۔ مثلاً آجکل کے نرخ کے اعتبار سے اس کی ایک سو چالیس تولہ چاندی آئے تو اس میں یہ دس تولہ چاندی کے کام کے شامل کر کے ڈیڑھ سو تولہ چاندی کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (درمختار و شامی)

نقد روپیہ کی زکوٰۃ

نقد روپیہ چاہے چاندی کا ہو یا گلٹ وغیرہ کا اس پر باتفاق فقہاً زکوٰۃ فرض ہے۔ کیونکہ یہ ثمن عرفی ہے اور لین دین ہی کے لئے اس کی وضع ہے۔ (شامی)

۱۔ اگر کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت کے برابر نقد روپیہ موجود ہو (چاہے سونا چاندی بالکل نہو) تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ کیونکہ نقد روپیہ بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے۔ (شامی)

۲۔ مثلاً چاندی سوا دو عـہ روپے تولہ ہے، تو اگر کسی کے پاس ایک سو اٹھارہ روپے بارہ سنئے پیسے ہوں تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے، کیونکہ یہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کی برابر ہے۔

عـہ آجکل چاندی کی قیمت دو روپے ۳ آنے تولہ ہے اور اس میں کمی بیشی مختلف اوقات میں ہوتی رہتی ہے۔ زکوٰۃ نکالتے وقت چاندی کا بھاؤ معلوم کر کے حساب کر لینا چاہیئے۔ ۱۲ منہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء

۳- کسی کے پاس کچھ نقد روپیہ کچھ سونا اور کچھ چاندی ہے۔ لیکن علیحدہ علیحدہ ان میں سے کوئی بھی مقدار نصاب کو نہیں پہنچتا تو اس سونے اور چاندی کی قیمت دیکھی جائے اگر اس سونے اور چاندی کی قیمت اور وہ نقد روپیہ ملا کر ایک سو اٹھارہ روپے اور بارہ نئے پیسے ہو جائیں تو زکوٰۃ فرض ہے ورنہ نہیں۔ (در مختار)

۴- مثلاً کسی زمانہ میں سونا ایک سو تیس روپے تولہ اور چاندی سوا دو روپے تولہ ہو تو اگر کسی کے پاس سال کے ختم پر ایک تولہ سونا اور پانچ روپے نقد ہوں تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے، کیونکہ ایک تولہ سونا ایک سو تیس روپے کا ہوا، اور وہ پانچ روپے ملا کر ایک سو پینتیس روپے ہو گئے، اور یہ رقم ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت سے بہت زائد ہے کیونکہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تو سوا دو روپے تولہ کے حساب سے صرف ایک سو اٹھارہ روپے بارہ پیسے ہوتی ہے (در مختار)

۵- البتہ اگر صرف ایک تولہ سونا ہو اور اس کے ساتھ روپے یا چاندی بالکل نہ ہوں تو زکوٰۃ فرض نہیں (جیسا کہ عام کتب فقہ میں مذکور ہے)

۶- کسی کے پاس تین سو روپے رکھے تھے، پھر سال پورا ہونے سے پہلے دو سو روپے اور مل گئے تو ان دو سو روپے کا حساب علیحدہ نہیں کیا جائے گا بلکہ جب اُن تین سو روپے کا سال پورا ہو گا تو پورے پانچسو روپے کی زکوٰۃ فرض ہو گی۔ اور یہ سمجھا جائے گا کہ

پُورے پانچسو روپے پر سال گذر گیا (ہدایہ)

مالِ تجارت کی زکوٰۃ

مالِ تجارت وہ مال ہے جو فروخت کرنے کی نیت سے لیا ہو۔ اس کا نصاب بھی وہی ہے جو نقد روپے کا نصاب ہے، یعنی کل مال کی قیمت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کی برابر یا اس سے زائد ہو جائے تو سال گذرنے پر اس کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ دینا فرض ہے (درمختار و شامی)

۱۔ سونا چاندی اور نقد روپے کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں مثلاً سچے موتیوں کا ہار، لوہا تانبا، پیتل، رانگ، گلٹ وغیرہ یا ان چیزوں کے بنے ہوئے برتن وغیرہ، یا کپڑے جوتے، فرنیچر، یا کوئی اور سامان اس کا حکم یہ ہے کہ یہ مال اگر تجارت کے واسطے لیا ہے تو مقدار نصاب ہونے اور سال گذرنے پر اس کی زکوٰۃ نکالنا فرض ہوگا۔ اور اگر تجارت کے لئے نہیں لیا تو زکوٰۃ فرض نہیں۔ خواہ وہ کتنا ہی بیش قیمت اور کتنا ہی زیادہ ہو، اور بے ضرورت رکھا ہو۔

(درمختار ج ۲ و شامی)

۲۔ اگر سونا چاندی کے علاوہ کوئی اور سامان اپنے استعمال کے واسطے لیا تھا پھر تجارت کا اور اس کو فروخت کرنے کا ارادہ ہو گیا مگر فروخت نہیں ہوا اور سال گذر گیا تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ کیونکہ نیت

وہ معتبر ہے جو مال لیتے وقت ہو، اور یہاں مال لیتے وقت تجارت کی نیت نہیں تھی اس لئے یہ مال تجارت نہیں۔ ہاں جب اس کی فروخت شروع کردے اس وقت سے تجارتی مال قرار پائے گا۔ اور اس وقت کے بعد اگر سال بھر یہ مال رہا تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (ہدایہ)

۳۔ دوکان میں جو الماریاں وغیرہ سامان رکھنے کے لئے رکھی ہوں، یا فرنیچر وغیرہ استعمال کے لئے رکھا ہو اُس پر زکوٰۃ فرض نہیں کیوں کہ یہ مال تجارت نہیں۔ البتہ اگر کوئی فرنیچر ہی کی تجارت کرتا ہو یعنی یہ فرنیچر تجارت کی نیت سے ہی خریدا یا بنوایا ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ مال مالِ تجارت ہے۔

(در مختار ج ۲ و شامی)

۴۔ اگر کسی کے پاس کئی مکان ہوں اور ان کو کرایہ پر چلاتا ہو تو اِن مکانوں کی قیمت پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں، خواہ وہ کتنی ہی قیمت کے ہوں۔ البتہ ان کے کرایہ سے حاصل شدہ رقم جس قدر سال بھر کے ختم تک باقی رہے گی اس کی زکوٰۃ نقد روپیہ کے حساب سے ادا کرنا ضروری ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے مثلاً ایک دو ہزار یا زائد روپے کے برتن، فرنیچر، شامیانے، یا سائکلیں وغیرہ یا کوئی اور سامان کرایہ پر دینے کے لئے خریدا اور کرایہ پر چلاتا رہا تو ان چیزوں پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں۔ کیونکہ کرایہ پر چلانے سے مال مالِ تجارت نہیں بنتا۔

اور اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ۔ البتہ کرایہ سے جو روپیہ حاصل ہوگا
اُس کا وہی حکم ہے جو نقد روپے کا ہے ۔ یعنی یہ روپیہ اگر بقدرِ نصاب
ہو، اور ایک سال گذر جائے تو اس روپے پر زکوٰۃ فرض ہوگی ۔
(ہدایہ و قاضی خاں)

۵ ۔ پرنٹنگ پریس، کارخانوں اور ملوں وغیرہ میں جو مشینیں
فٹ ہوں وہ بھی مالِ تجارت نہیں، لہٰذا ان پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں ۔
البتہ اگر مشینیں تجارت کی نیت سے خریدی ہوں کہ ان کو فروخت کیا
کریں گے تو ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی ۔ درزی کی کپڑے سینے
کی مشینیں، ڈرائی کلین وغیرہ کی مشینوں کا اور ہر قسم کی مشینوں کا
یہی حکم ہے ۔ (درمختار و شامی)

۶ ۔ کارخانے اور مل وغیرہ کی مشینوں پر تو زکوٰۃ فرض نہیں ۔
لیکن ان میں جو مال تیار ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ ہے ۔ اسی طرح
جو خام مال مل میں سامان تیار کرنے کے لئے رکھا ہے اس پر بھی زکوٰۃ
فرض ہے ۔ خام مال اور تیار شدہ مال سب کی قیمت لگا کر اس کا
ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے (درمختار و شامی)

۷ ۔ کسی کے پاس کچھ سونا یا چاندی، اور کچھ مالِ تجارت ہے، لیکن
علیحدہ علیحدہ نہ سونا چاندی بقدرِ نصاب ہے اور نہ مالِ تجارت بقدر
نصاب ہے تو سب کو ملا کر دیکھیں اگر اس مجموعہ کی قیمت ساڑھے
باون تولہ چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر پھر بھی

کم رہے تو زکوٰۃ فرض نہیں۔ (ہدایہ)

۸۔ ملوں اور کمپنیوں کے شیرز پر بھی ختم سال کے وقت جو قیمت شیرز کی بازار میں ہو اس کے موافق زکوٰۃ فرض ہے۔ البتہ کمپنیوں کے شیرز کی قیمت میں چونکہ مشینری اور مکان اور فرنیچر کی لاگت بھی شامل ہوتی ہے۔ جو درحقیقت زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے اس لئے اگر کوئی شخص کمپنی سے دریافت کرکے جس قدر رقم اس کی مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ میں لگی ہوئی ہے۔ اس کو اپنے حصہ کے مطابق شیرز کی قیمت میں سے کم کرکے باقی کی زکوٰۃ دے تو یہ بھی جائز و درست ہے۔ مثلاً شیرز کی قیمت ایک سو روپیہ ہے اور تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ پانچ فیصد رقم مشینری اور مکان دوکان اور اس کے فرنیچر میں لگی ہوئی ہے تو شیرز کی قیمت سے پانچ کم کرکے باقی پچانوے کی زکوٰۃ فرض ہوگی (درمختار و شامی)

مقروض پر زکوٰۃ کب فرض ہے کب نہیں؟

۱۔ کسی کے پاس دو سو روپے ہیں اور اتنے ہی روپے کا وہ مقروض بھی ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، چاہے وہ دو سو روپے پورے سال اُس کے پاس رکھے رہیں۔ اور اگر ڈیڑھ سو روپے کا مقروض ہے تو پھر بھی زکوٰۃ فرض نہیں۔ کیونکہ ڈیڑھ سو روپے قرض کے ہوتے تو صرف پچاس روپے ضرورت سے زائد بچے۔ اور پچاس روپے

آجکل ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت سے کم ہیں۔

(ہدایہ ج اول)

۲- اگر کسی کے پاس پانچسو روپے ہیں- اور دوسو روپے کا وہ قرض دار ہے تو اس پر تین سو روپے کی زکوۃ فرض ہے۔

(ہدایہ ج اول)

قرض خواہ پر زکوۃ کب فرض ہے کب نہیں؟

۱- اگر آپ کا مال کسی کے ذمہ قرض ہے تو اس مال کی زکوۃ بھی آپ پر فرض ہے- بشرطیکہ قرضدار اس کا اقرار کرتا ہو اور ادا کرنیکا وعدہ کرتا ہو- یا اگر وہ انکار کرے تو آپ کے پاس کوئی شہادت یا دستاویزی ثبوت ایسا موجود ہو جس کے ذریعہ آپ بذریعہ عدالت وصول کر سکتے ہوں- لیکن قرض کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ نقد روپیہ یا سونا چاندی کسی کو قرض دیا- یا تجارت کا مال کسی کو فروخت کیا تھا اور اس کی قیمت اُس کے ذمہ باقی ہے- پھر یہ مال ایک سال یا دو تین سال کے بعد وصول ہوا- ایسے قرض کو فقہا کی اصطلاح میں دین قوی کہا جاتا ہے ایسا قرض اگر بقدر نصاب یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کی برابر ہو تو وصول ہونے پر پچھلے تمام سالوں کی زکوۃ دینا فرض ہے

لیکن اگر یکمشت وصول نہ ہو بلکہ تھوڑا تھوڑا وصول ہو تو جب مقدارِ نصاب کا پانچواں حصہ عہ (۱/۵) یعنی عمہ بیس فیصد وصول ہو جائے تو صرف اس پانچویں حصہ کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہو گا۔ پھر جب اور پانچواں حصہ وصول ہو جائے تو اس پانچویں حصہ کی زکوٰۃ فرض ہو گی۔ اسی طرح ہر پانچویں حصّہ کی زکوٰۃ فرض ہوتی رہے گی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ زکوٰۃ پورے سالوں کی نکالی جائے گی۔

اور اگر یہ پورا قرض بقدر نصاب نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ البتہ اگر آپ کے پاس کچھ اور مال بھی ہے اور دونوں ملاکر بقدرِ نصاب ہو جائیں تو زکوٰۃ فرض ہو گی (شامی جلد ۲ صہ ۵۳)

(۲) دُوسری قسم یہ ہے کہ وہ قرض نہ نقد روپے کی صورت میں دیا گیا ہو نہ سونا چاندی کی صورت میں، اور نہ مالِ تجارت فروخت کیا ہو بلکہ کوئی اور چیز فروخت کی تھی جو تجارت کی نہ تھی، مثلاً پہننے کے کپڑے یا گھر کا سامان، یا کوئی زمین فروخت کی تھی اور اسکی قیمت باقی ہے۔ ایسے قرض کو اصطلاح میں دینِ متوسط کہتے ہیں تو یہ قیمت اگر بقدرِ نصاب ہے اور کئی سال کے بعد وصول ہوئی تو وصول ہونے پر ان تمام سالوں کی زکوٰۃ اس پر بھی فرض ہو گی، اور اگر یکمشت وصول نہ ہو تو جب تک یہ قرض پورے مقدار نصاب کی برابر وصول نہ ہو جائے اُس وقت تک اس پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض

عہ یعنی ساڑھے دس تولہ چاندی کی قیمت کے برابر۔ ۱۲ منہ عمہ یعنی مقدار نصاب کا بیس فیصدی

نہیں ہوتا جب بقدر نصاب وصول ہو جائے تو وصول شدہ رقم پر
پچھلے تمام سالوں کی زکوٰۃ دینا فرض ہے۔

(شامی و درّ ص ۵۳ و ص ۵۴ ج ۲)

مسئلہ اس دوسری قسم کا قرض اگر یکمشت وصول نہوا بلکہ مثلاً پہلی مرتبہ ۱۵ روپے ملے تو اگر آپ کے پاس پہلے سے ایسا مال بقدر نصاب موجود ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے مثلاً ایک سو پندرہ روپے پہلے سے موجود ہیں تو یہ پندرہ روپے اُس موجود روپے کے ساتھ ملا کر حساب ہوگا۔ چنانچہ جب اُن ایک سو پندرہ روپے کا سال پورا ہوگا تو یہ سمجھا جائے گا کہ قرض سے وصول ہونے والے پندرہ روپے پر بھی پورا سال گذر گیا، لہذا پورے ایک سو تیس روپے کی زکوٰۃ فرض ہو گی۔

(۳) تیسری قسم یہ ہے کہ نہ نقد روپیہ قرض دیا نہ سونا چاندی دی، اور نہ کوئی چیز فروخت کی بلکہ کسی اور سبب سے آپ کا قرض دوسرے کے ذمہ ہو گیا۔ مثلاً عورت کا مہر شوہر کے ذمہ ہو، یا شوہر کا بدلِ خلع عورت کے ذمہ ہو، یا دیتہ (خون بہا) کسی کے ذمہ ہو یا ملازم کی تنخواہ ادا کرنا باقی ہو۔ ایسے قرض کو فقہا دین ضعیف کہتے ہیں اور اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اُس کا حساب وصول ہونے کے دن سے ہوگا۔ پچھلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔ چنانچہ وصول ہونے کے بعد اگر اس پر ایک سال گذر گیا تو اس سال کی زکوٰۃ فرض ہو گی ورنہ

نہیں۔ (شامی ج جلد ۲ ص ۵۴)

مسئلہ پراویڈنٹ فنڈ تیسری قسم میں داخل ہے۔ لہٰذا ملازمت چھوڑنے کے بعد جب اس فنڈ کا روپیہ وصول ہوگا اُسی وقت سے اس روپیہ کے سال کی ابتدا ہوگی۔ اور پچھلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

اطلاع اس مسئلہ میں بعض علماء کا اختلاف ہے وہ اسکو دین قوی یا متوسط قرار دے کر اس پر بھی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ لازم کرتے ہیں۔ اس لئے احتیاطاً کوئی ادا کرے تو افضل ہے۔ اس مسئلہ کی مکمل تحقیق مع دلائل کے دیکھنا ہو تو ضمیمہ امداد الفتاویٰ جلد دوم میں ملاحظہ فرمائیں عہ۔

سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ دیدی تو اسکا حکم

۱۔ اگر کوئی مالدار کہ جس پر زکوٰۃ فرض ہے سال گذرنے سے پہلے ہی زکوٰۃ دیدے تو یہ جائز ہے، اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ اور اگر وہ فی الحال مالدار نہیں بلکہ کہیں سے مال ملنے کی اُمید پر سال ملنے سے پہلے ہی زکوٰۃ دیدی تو یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ جب مال مل جائے اور اس پر سال گذر جائے تو دوبارہ زکوٰۃ دینا فرض ہے۔

(ہدایہ ج اول)

عہ ملنے کا پتہ ادارۃ المعارف۔ اشرف منزل۔ متصل لسبیلہ چوک کراچی ۵

۲۔ مالدار شخص اگر کئی سال کی زکوٰۃ پیشگی دیدے تو یہ بھی جائز ہے البتہ اگر کسی سال مال بڑھ گیا تو اس بڑھے ہوئے مال کی زکوٰۃ علیحدہ دینا ہوگی۔ (درمختار و شامی)

۳۔ کسی کے پاس ایک سو بیس روپے ضرورت سے زائد رکھے ہیں اور سو روپے مزید ملنے کی امید ہے۔ اس نے پورے دو سو بیس روپے کی زکوٰۃ دیدی تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن ختم سال پر روپیہ اگر نصاب سے کم رہ گیا۔ مثلاً صرف سو روپے باقی رہ گئے تو زکوٰۃ معاف ہوگئی اور وہ دیا ہوا صدقہ نافلہ ہوگیا۔ اسکا ثواب ملے گا۔ (درمختار و شامی ج اول)

سال مکمل ہونے کے بعد مال ختم یا کم ہوجانے کا حکم

۱۔ کسی کے مال پر پورا سال گذر گیا لیکن ابھی زکوٰۃ نہیں دی تھی کہ تمام مال چوری ہوگیا، یا کسی اور طریقے سے خود بخود ضائع ہوگیا تو زکوٰۃ معاف ہوگئی۔ لیکن اگر اپنا مال اپنے اختیار سے کسی کو دے دیا یا کسی اور طرح اپنے اختیار سے ضائع کردیا تو جس قدر زکوٰۃ فرض ہوئی تھی وہ معاف نہیں ہوگی بلکہ دینا پڑے گی۔

(ہدایہ و درمختار ج ۲)

۲۔ سال پورا ہونے کے بعد کسی نے زکوٰۃ کی نیت کے بغیر اپنا تمام مال خیرات کردیا تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ معاف ہوگئی (ہدایہ جلد اول)

۳۔ کسی کے پاس مثلاً چار سو روپے تھے ایک سال گذرنے کے بعد اس میں سے دو سو روپے چوری ہو گئے یا خیرات کر دیئے تو دو سو روپے کی زکوٰۃ دینا ہو گی۔ (درمختار ج ۱ ہدایہ ج ۲)

زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ اور اس کا حکم

۱۔ جب مال پر پورا سال گذر جائے تو فوراً زکوٰۃ ادا کر دینی چاہیئے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اچانک موت آجائے اور یہ فریضہ گردن پر رہ جائے۔ اگر سال گذرنے پر زکوٰۃ نہیں دی، یہاں تک کہ دوسرا سال بھی گذر گیا تو یہ گناہ ہے، اس سے توبہ کرنی چاہیئے۔ اور دونوں سالوں کی زکوٰۃ ادا کر دینی چاہیئے۔ غرض یہ کہ زکوٰۃ دینے میں تاخیر کرنا اگرچہ گناہ ہے۔ لیکن یہ جب بھی دیجائے گی ادا ہو گی قضا نہیں کہلائے گی۔
(درمختار ج ۲)

۲۔ جس قدر مال ہے اُس کا چالیسواں حصہ (۱/۴۰) دینا فرض ہے۔ یعنی ڈھائی فیصد مال دیا جائے گا۔ (درمختار ج ۲)

۳۔ زکوٰۃ کی رقم دینے میں اختیار ہے کہ چاہے ایک ہی مستحق کو پوری رقم دیدیں، یا کئی غریبوں میں تقسیم کر دیں، نیز یہ بھی اختیار ہے کہ چاہے ایک دن میں پوری رقم دیدیں یا تھوڑا تھوڑا کر کے کئی مہینے میں دیں۔ (درمختار ج ۲)

۴۔ بہتر یہ ہے کہ ایک غریب کو کم از کم اتنا دیں کہ اس دن کے لئے

کافی ہو جائے، اُس روز کے لئے اُسے کسی اور سے مانگنا نہ پڑے۔
(در مختار ج ۲)

۵۔ ایک ہی فقیر کو اتنا مال دیدینا کہ جتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے مکروہ ہے، لیکن اگر دے دیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی، اور اس سے کم دینا بغیر کراہت کے جائز ہے۔
(ہدایہ ج ۱)

۶۔ کسی کے پاس چاندی کا اتنا زیور ہے کہ حساب سے تین تولہ چاندی زکوٰۃ کی ہوتی ہے تو اختیار ہے کہ زکوٰۃ میں چاہے تین تولہ چاندی دیدیں یا تین تولہ چاندی کی قیمت یا اس قیمت کا کوئی اور سامان دیدیں یہی حکم سونے کا ہے کہ اس کی زکوٰۃ چاہے خود سونے میں سے دیدیں یا قیمت کے برابر کوئی چیز دیدیں۔

۷۔ زکوٰۃ کے ادا ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جو رقم کسی مستحق زکوٰۃ بہ نیت زکوٰۃ دی جائے۔ وہ اس کی کسی خدمت وغیرہ کے معاوضہ میں نہو۔

مسئلہ اسی لئے کسی مسجد کے امام۔ موذن۔ یا مدرسہ کے مدرس۔ ملازم کو جو رقم دی جائے اس کا ثواب تو بڑا ہے مگر وہ زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ وہ اس کی خدمت کے معاوضہ میں ہے۔ ہاں کوئی موذن، امام، مدرس یا اپنے گھر کا نوکر اگر غریب ہے اور تنخواہ میں اسکی ضروریات پوری نہیں ہوتیں تو تنخواہ کے علاوہ زکوٰۃ کی رقم سے بھی اس کی امداد کی جاسکتی ہے۔ اس صورت میں جو کچھ اس کو بہ نیت

زکوٰۃ دیا جائے گا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق زکوٰۃ کو مالکانہ طور پر دیدی جائے جس میں اس کو ہر طرح کا اختیار ہو۔ اس کے مالکانہ قبضہ کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ اسی لئے اگر زکوٰۃ کی نیت سے دس بیس مسکینوں کو بٹھا کر کھانا کھلا دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ اس کھانے کا ان کو مالک نہیں بنایا گیا۔

مسئلہ۔ مسجد۔ مدرسہ۔ خانقاہ۔ شفاخانہ۔ کنواں۔ پل یا اور کسی رفاہی ادارہ کی تعمیر میں رقمِ زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں اور اگر اس میں خرچ کردی گئی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس میں بھی مستحق زکوٰۃ کو مالکانہ طور پر نہیں دیا گیا۔

مسئلہ اسی طرح رقم زکوٰۃ سے کتابیں خرید کر کسی مدرسہ میں وقف کردینا یا کوئی زمین خرید کر کسی رفاہ عام کے کام کے لئے وقف کردینا بھی ادائیگی زکوٰۃ کے لئے کافی نہیں۔

مسئلہ۔ زکوٰۃ کی رقم سے مکانات بنا کر مستحقین زکوٰۃ کو بطور رعایت کے مفت رہنے کے لئے دیدینے سے بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جب تک مکان کا ان کو مالک نہ بنا دیا جائے۔

مسئلہ۔ شفا خانوں کی تعمیر اور اس کی ضروریات اور ملازمین کی تنخواہوں میں زکوٰۃ کی رقم نہیں دی جا سکتی۔ البتہ دوائیں جو مستحقین

زکوٰۃ کو مفت دیجائیں وہ زکوٰۃ میں لگ سکتی ہیں۔

مسئلہ۔ بعض حضرات زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی رقم اس کام کے لئے جمع رکھتے ہیں کہ اس سے غریب مسلمانوں کو قرض حسنہ دیا جائے اور پھر وقت پر وصول کر لیا جائے۔ ایسا کرنا ثواب تو ضرور ہے مگر زکوٰۃ اس طرح ادا نہیں ہوتی جب تک مستحقین کو مالکانہ طور پر نہ دیدی جائے۔

مسائل مذکورہ کی مزید تفصیل اور قرآن و سنت سے ان کا ثبوت رسالہ قرآن میں نظام زکوٰۃ میں ملاحظہ فرمائیں۔

زکوٰۃ کی نیت

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نیت زکوٰۃ فرض ہے:۔

۱۔ جس وقت زکوٰۃ کا روپیہ وغیرہ کسی غریب مستحق کو دیں اس وقت دل میں یہ نیت ضرور کرلیں کہ " میں زکوٰۃ ادا کرتا ہوں " صرف دل سے نیت کرلینا کافی ہے زبان سے کہنا نہ ضروری ہے نہ بہتر۔ اور اگر دل میں نیت نہ کی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ دوبارہ دینا پڑے گی اور یہ جو روپیہ بغیر نیت کے دیا ہے اس کا ثواب نفلی صدقہ کا ہوگا

(درمختار ج ۲)

۲۔ اگر کسی مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ دیتے وقت نیت نہیں کی تو جبتک وہ مال اس غریب کے پاس موجود ہے اس وقت تک بھی یہ نیت

کر لینا درست ہے۔ اب نیت کرنے سے بھی وہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، البتہ فقیر کے پاس وہ مال خرچ ہو جانے کے بعد نیت کی تو اس نیت کا اعتبار نہیں۔ اب دوبارہ زکوٰۃ دینا پڑے گی (درمختار ج ۲)

۳۔ جس کو زکوٰۃ دی جائے اُسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ "یہ زکوٰۃ کے پیسے ہیں۔ بلکہ اس کا نہ جتلانا ہی بہتر ہے۔

(درمختار ج ۲)

۴۔ کسی نے زکوٰۃ کی نیت سے مثلاً دس روپے نکال کر الگ رکھ لئے۔ کہ جب کوئی مستحق ملے گا تو دیدوں گا۔ پھر مستحق کو دیتے وقت نیت کرنا بھول گیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ البتہ اگر زکوٰۃ کی نیت سے نکال کر علیحدہ نہ رکھتا تو ادا نہ ہوتی۔ غرض یہ کہ زکوٰۃ کی نیت خواہ روپے نکال کر علیحدہ رکھتے وقت کر لے یا فقیر کو دیتے وقت کر لے۔ دونوں طرح ٹھیک ہے۔ لیکن اگر دونوں وقت نیت نہ کی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔

(ہدایہ ج اول)

۵۔ کسی نے قرض مانگا، اور معلوم ہے کہ وہ اتنا تنگدست اور مفلس ہے کہ کبھی ادا نہ کر سکے گا یا ایسا نادھند ہے کہ قرض لیکر کبھی ادا نہیں کرتا، اُس کو قرض کے نام سے زکوٰۃ کا روپیہ دیدیا۔ اور دل میں زکوٰۃ کی نیت کر لی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ اگرچہ لینے والا یہی سمجھے کہ مجھے قرض دیا ہے۔ (عالمگیری)

۱۰۴

۶۔ اگر کسی کو انعام کے نام سے کچھ دیا لیکن دل میں یہ نیت کر لی کہ زکوٰۃ دیتا ہوں تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ اسی طرح کسی غریب یا ان کے بچوں کو عیدی یا تحفہ کے طور پر زکوٰۃ کی رقم دے دی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی اگرچہ وہ یہ سمجھیں کہ ہمیں تحفہ دیا ہے اور عزیزوں کے ساتھ ایسا ہی کرنا افضل و بہتر ہے تاکہ ان کو لینے میں شرمندگی نہ ہو۔ (درمختار و عالمگیری)

۷۔ کسی غریب آدمی پر آپ کے مثلاً دس روپے قرض ہیں، اور آپ کے مال کی زکوٰۃ بھی دس روپے یا اس سے زائد ہے، تو اگر آپ نے اپنا قرض اس کو زکوٰۃ کی نیت سے معاف کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ البتہ اگر اس کو دس روپے زکوٰۃ کی نیت سے دیدیں تو زکوٰۃ ادا ہو گئی، اب یہی روپے اپنے قرض میں اس سے لے لینا درست ہے۔ (درمختار ج ۲)

کسی اور شخص کے ذریعہ زکوٰۃ ادا کرنا

۱۔ آپ کسی دوسرے شخص یا ادارہ کو اپنی زکوٰۃ کی رقم دیکر وکیل و مختار بنا سکتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف سے مال زکوٰۃ کو زکوٰۃ کے صحیح مصرف میں خرچ کر دے لیکن اس میں دو باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔ اوّل تو یہ کہ اس وکیل پر یہ پورا اعتماد ہو کہ وہ اس رقم کو صرف مستحقین زکوٰۃ ہی پر صرف کرے گا۔ دوسری مدات خیرات میں خرچ نہ کر ڈالے گا

دُوسری یہ کہ جب تک آپ کا مال زکوٰۃ اس وکیل کے قبضہ میں رہیگا وہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کے پاس رکھا ہے۔ زکوٰۃ اسی وقت اَدا ہو گی جب یہ شخص یا ادارہ مال زکوٰۃ کو مستحقین زکوٰۃ میں خرچ کر ڈالے۔ بہت سے ادارے زکوٰۃ کی رقم جمع کر لیتے ہیں۔ اور سالہا سال رقم زکوٰۃ رکھی رہتی ہے صرف نہیں ہوتی۔ یہ بڑی بے احتیاطی ہے۔

۲۔ زکوٰۃ کا روپیہ وغیرہ غریب کو اگر خود نہ دیا بلکہ کسی اور کو دیا کہ تم کسی غریب کو دیدینا تو۔ .. .. ۔اَب وہ شخص غریب کو دیتے وقت اگر زکوٰۃ کی نیت نہ کرے تب بھی زکوٰۃ اَدا ہو جائے گی۔ (عالمگیری)

۳۔ اگر آپ نے روپے نہیں دئے لیکن اتنا کہہ دیا کہ تمہاری طرف سے زکوٰۃ دے دینا اَب اُس نے آپ کی طرف سے زکوٰۃ دیدی تو یہ اَدا ہو گئی۔ اور جو رقم اُس نے دی ہے وہ آپ کے ذمّہ اُسکا قرض ہے۔ (شامی ج ۲)

۴۔ اگر آپ نے کسی سے کچھ نہیں کہا، بلکہ آپ کی اجازت کے بغیر کسی نے آپ کی طرف سے زکوٰۃ دیدی تو زکوٰۃ اَدا نہ ہو گی۔ اَب اگر آپ منظور بھی کر لیں تب بھی آپ کی زکوٰۃ اَدا نہ ہو گی بلکہ یہ خود اُس کی طرف سے نفلی صدقہ ہو گا۔ چنانچہ جو رقم اُس نے دی ہے وہ آپ سے وصول کرنے کا بھی اسے حق نہیں۔ (شامی)

۵ - آپ نے کسی شخص کو دو روپے دئے اور کہا کہ میری طرف سے یہ زکوۃ میں دیدینا - اب اُسے اختیار ہے کہ چاہے خود کسی غریب کو دے یا کسی اور کے سپرد کردے کہ تم یہ روپیہ زکوۃ میں دیدینا اور نام بتانا بھی ضروری نہیں کہ فلاں شخص کی طرف سے یہ زکوۃ دینا ہوں - (بہشتی زیور حصہ ۳ ص۲۲)

۶ - آپ نے کسی کو دو روپے دئے کہ میری طرف سے زکوۃ میں دیدینا تو وہ شخص اگر وہ روپیہ اپنے کسی رشتہ دار یا ماں باپ کو غریب دیکھ کر دیدے تو جائز ہے - لیکن اگر وہ خود غریب ہے تو خود ہی لے لینا صحیح نہیں - البتہ اگر آپ نے یہ کہدیا ہو کہ "جو چاہو کرو اور جسے چاہو دیدو" تو وہ خود بھی لیلے تو درست ہے بشرطیکہ خود مستحقِ زکوۃ ہو (درمختار ج ۲)

زکوۃ کن لوگوں کو دینا جائز ہے؟

مسئلہ ۱ - جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنی ہی قیمت کا مالِ تجارت ہو اس کو شرعاً مالدار کہا جاتا ہے - ایسے شخص کو زکوۃ دینا جائز نہیں - اور ایسے شخص کو زکوۃ لینا بھی حلال نہیں (عالمگیری)

۲ - اسی طرح جس کے پاس اتنی ہی قیمت کا کوئی مال ہو جو مال تجارت تو نہیں لیکن ضرورت سے زائد ہے وہ بھی مالدار ہے ایسے شخص کو بھی زکوۃ دینا درست نہیں، اگرچہ خود اس قسم کے

مالدار پر زکوۃ بھی فرض نہیں۔

(بہشتی زیور حصہ ۳ صـ۲۳)

۳۔ اور جس کے پاس اتنا مال نہ ہو، بلکہ اس سے کم ہو یا بالکل نہ ہو اس کو "فقیر" کہتے ہیں، ایسے لوگوں کو زکوۃ دینا درست ہے اور ان لوگوں کو لینا بھی جائز ہے (در مختار ج ۲)

۴۔ بڑی بڑی دیگیں، بڑی دریاں، شامیانے، جنکی کبھی برسوں میں تقریبات کے موقعوں پر ضرورت پڑتی ہے اور روزمرہ ضرورت نہیں ہوتی، یہ سامان ضرورت سے زائد کہلائے گا چنانچہ جس کے پاس ایسا مال بقدرِ نصاب ہو اُسے بھی زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ (شامی ج ۲)

۵۔ رہائش کا مکان، پہننے کے کپڑے اور خدمت گار ملازم، اور گھر کا وہ سامان جو اکثر استعمال میں رہتا ہے۔ یہ سب ضروری سامان میں داخل ہیں چنانچہ اس سامان کے ہونے سے کوئی شخص مالدار نہیں کہلائے گا، خواہ یہ مال کتنا ہی زیادہ قیمتی ہو، اس لئے اس کو زکوۃ دینا بھی صحیح ہے۔ اسی طرح پڑھے لکھے آدمی کے پاس اس کے مطالعہ میں آنے والی کتابیں بھی ضروری سامان میں داخل ہیں کاریگروں کے اوزار بھی ضروری سامان" میں داخل ہیں۔ خواہ وہ کتنی ہی قیمت کے ہوں جب اس کے پاس اوزار کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر مال موجود نہ ہو تو وہ مستحق زکوۃ ہے۔ (شامی ج ۲)

۶۔ کسی کے پاس چند مکان ہیں جو کرایہ پر چلتے ہیں یا کوئی اور آمدنی ہے، لیکن اہل وعیال اور بچے اتنے زیادہ ہیں کہ اچھی طرح گذر نہیں ہوتی، اور اس کے پاس کوئی ایسا مال بھی نہیں جس میں زکوۃ فرض ہوتی ہے، تو ایسے شخص کو زکوۃ دینا جائز ہے۔ (شامی ج ۲)

۷۔ کسی کے پاس ایک ہزار روپے نقد موجود ہیں، لیکن وہ ایک ہزار یا اس سے زائد کا قرضدار بھی ہے، تو اس کو بھی زکوۃ دینا جائز ہے۔ اور اگر قرض ایک ہزار سے کم ہو تو دیکھیں کہ قرض ادا کرکے کتنے روپے بچتے ہیں۔ اگر بقدرِ نصاب بچتے ہوں تو اسے زکوۃ دینا درست نہیں۔ اور اگر کم بچتے ہیں تو دینا درست ہے۔ (عالمگیری)

۸۔ ایک شخص بہت مالدار ہے، لیکن کہیں سفر میں اتفاق سے اُس کے پاس سفر کے لئے کچھ نہیں بچا۔ تمام مال چوری ہوگیا یا اور کسی وجہ سے ختم ہوگیا یہاں تک کہ گھر پہنچنے کے لئے بھی سفر خرچ نہیں رہا تو ایسے شخص کو اس حالت میں زکوۃ دینا درست ہے اگرچہ اُس کے گھر میں کتنا ہی مال ودولت موجود ہو۔ؑ اسی طرح اگر حاجی کے پاس راستہ میں خرچ کے لئے کچھ نہ رہا تو اسے بھی زکوۃ دینا جائز ہے۔ اگرچہ اُس کے گھر میں خوب مال ودولت موجود ہو۔ (عالمگیری)

ؑ لیکن ایسے شخص کے لئے صرف بقدر ضرورت زکوۃ لینا جائز ہے ضرورت سے زائد لینا حلال نہیں۔ ۱۲ عالمگیری

۹۔ نابالغ بچوں کا باپ اگر مال دار ہو تو ان کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ لیکن اگر بچے بالغ ہو گئے اور خود وہ مالدار نہیں لیکن اُن کا باپ مالدار ہے تو ان کو زکوٰۃ دینا درست ہے (عالمگیری)

۱۰۔ اگر نابالغ بچوں کا باپ تو مالدار نہیں لیکن ماں مالدار ہے تو ان بچوں کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔

(درمختار ج ۲)

۱۱۔ بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اور بنو ہاشم وہ لوگ ہیں جو سید یعنی حضرت فاطمہ زہراؓ کی اولاد میں سے ہوں یا علوی ہوں، یا حضرتِ عباس رضؓ، یا حضرتِ جعفر رضؓ یا حضرتِ عقیل یا حضرت حارث ابن عبدالمطلب کی اولاد میں ہوں۔

(ہدایہ ج اول)

اسی طرح جو بھی صدقہ واجب ہو وہ ان کو نہیں دیا جا سکتا، مثلاً نذر، کفارہ، عُشر، صدقہ فطر ان کو نہیں دے سکتے، البتہ نفلی صدقات و خیرات ان لوگوں کو دے سکتے ہیں۔

(درمختار و شامی)

۱۲۔ زکوٰۃ کسی کافر کو دینا درست نہیں۔ صرف مسلمان کو ہی دی جا سکتی ہے۔ عشر، صدقۂ فطر، نذر اور کفارہ کا بھی یہی حکم ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے صدقات کافر کو بھی دے سکتے ہیں۔ (بہشتی زیور)

مساجد، اسلامی مدارس، انجمنوں، اور جماعتوں کو زکوٰۃ دینے کے احکام

ان مسائل کا بیان پہلے بھی زکوٰۃ ادا کرنے کے طریقے میں آچکا ہے۔ مگر عام ضرورت کے پیش نظر اس جگہ پھر تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

۱۔ زکوٰۃ اُس وقت تک اَدا نہیں ہوتی جب تک کسی مستحق کو اس کا مالک نہ بنا دیا جائے۔ چنانچہ زکوٰۃ کے روپے سے مسجد بنوانا، یا کسی لاوارث مردہ کے کفن دفن کا انتظام کردینا۔ یا مُردے کی طرف سے اُس کا قرض اُدا کردینا، درست نہیں کیونکہ یہاں کسی کو مالک بنانا نہیں پایا گیا۔ (درمختار ج ۲)

۲۔ زکوٰۃ کا روپیہ کسی ایسے مدرسہ یا انجمن میں دینا کہ جہاں وہ غریبوں پر خرچ نہ کیا جاتا ہو بلکہ ملازمین کی تنخواہوں یا تعمیر وغیرہ میں خرچ کردیا جاتا ہو جائز نہیں۔ البتہ اگر کسی ادارہ میں غریب طلباء یا دوسرے مسکینوں کو کھانا وغیرہ مُفت دیا جاتا ہے تو ایسے مدرسہ یا انجمن وغیرہ میں زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ لیکن یہ زکوٰۃ اُسوقت اَدا ہوگی جب وہ روپیہ نقد یا اُس روپے کے بدلہ میں کھانا وغیرہ غریبوں کو دے دیا جائے۔ یا کوئی اور چیز مثلاً کپڑے یا لحاف

وغیرہ مالکانہ طور پر ان کو دیئے جائیں۔ (کما فی عامۃ المتون)

۳۔ کسی نے زکوٰۃ کے طور پر کچھ کپڑے یا کتابیں وغیرہ مدرسہ میں دیں تو اگر یہ کپڑے یا کتابیں طلبار کو مالکانہ طریقے پر دیدی گئیں کہ اُن سے واپس نہ لی جائیں تو زکوٰۃ اَدا ہو گئی ورنہ نہیں۔

۴۔ آجکل عربی مدارس میں کتابیں عموماً مالکانہ طریقہ پر طلبار کو نہیں دی جاتیں بلکہ عارضی طور پر صرف پڑھنے کے لئے دی جاتی ہیں، سال کے اختتام پر واپس لے لی جاتی ہیں، ایسی کتابیں بھی زکوٰۃ کی رقم سے خریدنا جائز نہیں۔ اسی طرح ایسے کپڑے، کمبل، لحاف وغیرہ بھی زکوٰۃ کی رقم سے خریدنا جائز نہیں جو طلبار کو مالکانہ طور پر نہیں دیئے جاتے بلکہ واپس لے لئے جاتے ہیں۔ البتہ اگر یہ کیا جائے کہ زکوٰۃ نکالنے والا شخص یہ کتابیں یا کمبل وغیرہ کسی مستحق زکوٰۃ کو مالکانہ طور پر دیدے کہ وہ جو چاہے کرے۔ پھر وہ شخص اپنی طرف سے بخوشی مدرسہ میں داخل کردے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ چاہے اب وہ کتابیں وغیرہ طلبار کو مالکانہ طور پر نہ دی جائیں پھر بھی اَدا ہو جائے گی۔ اس صورت میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ نکالنے والے کو تو زکوٰۃ نکالنے کا پورا ثواب ملے گا ہی، ساتھ ہی اُس غریب کو بھی صدقہ نافلہ کا ثواب ہو گا جس نے یہ کتابیں کمبل وغیرہ لے کر مدرسہ میں دیدیئے ہیں۔

۵- غریب طلباء کو مدِ زکوٰۃ سے تعلیم کے لئے وظائف دیئے جا سکتے ہیں۔

۶- غریب طلباء کے لئے اسلامی مدارس میں زکوٰۃ دینے میں دوگنا ثواب ہے، ایک ثواب تو زکوٰۃ کا اور دُوسرا ثواب اسلامی تعلیم کی اعانت کا۔ لیکن زکوٰۃ ایسے مدرسہ میں دینی چاہیئے جس کے منتظمین پر یہ پُورا اعتماد ہو کہ وہ زکوٰۃ کی رقم کو خاص زکوٰۃ ہی کے صحیح مصرف میں یعنی غریب طلباء کی خوراک پوشاک وغیرہ میں اس طرح خرچ کریں گے کہ طلبا اس کے مالک قرار دیئے جائیں۔

شفا خانہ کی تعمیر اور دیگر ضروریات اور ملازمین کی تنخواہوں میں بھی زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں ہو سکتی البتہ جو دوائیں غریبوں کو مُفت دی جائیں وہ زکوٰۃ میں شمار ہوں گی۔

تنبیہہ

مساجد۔ مدارس اسلامیہ اور غریبوں کے لئے شفاخانے وغیرہ بنانا مسلمانوں کے لئے بڑے ضروری اور اہم کام ہیں انھیں خرچ کرنے کا اجر و ثواب بھی عظیم ہے مگر شریعت اسلام میں ان کے لئے بیت المال کے دُوسرے مدات مقرر ہیں جن سے ان کاموں میں خرچ ہونا چاہیئے۔ آجکل اسلامی بیت المال قائم نہ ہونے کے سبب مشکلات درپیش ہیں اس مجبوری کے باعث مسلمانوں کو زکوٰۃ کے علاوہ

ان کاموں کے لئے مستقل چندہ کرنا ضروری ہو گیا۔ زکوٰۃ کی رقم بہرحال ان کاموں پر خرچ کرنا درست نہیں۔ بہت مجبوری کی حالت میں ایسا کیا جا سکتا ہے کہ کسی ایسے غریب مستحق زکوٰۃ رقم زکوٰۃ کا باعدہ مالک بنا دیا جائے جو ان کاموں میں خرچ کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ مگر ناداری کے سبب عمل سے مجبور ہے۔ یہ شخص اپنے مالکانہ قبضہ میں لینے کے بعد اپنی رضا و رغبت سے یہ رقم کسی مسجد مدرسہ یا ادارے کو دیدے تو اس کی طرف سے یہ چندہ ہو گا۔ جو اداروں کے ہر کام پر خرچ ہو سکے گا۔ لیکن یاد رہے کہ حیلۂ تملیک کے نام سے جو کھیل عام طور پر کھیلا جاتا ہے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ کیونکہ عموماً جس کو زکوٰۃ دی جاتی ہے وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ مجھے اس مال کا کوئی اختیار نہیں، محض زبانی جمع خرچ کرنا ہے۔ ایسی صورت میں نہ وہ مالک ہوتا ہے نہ زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہوتی ہے۔ اس حیلہ سے رقم زکوٰۃ کو مساجد، مدارس وغیرہ کی تعمیری ضروریات پر لگانا جائز نہیں ہوتا۔

مذکورہ مسائل کی تحقیق و تفصیل عربی کتب فقہ کے علاوہ رسالہ "قرآن میں نظامِ زکوٰۃ" میں ملاحظہ فرمائیں۔

رشتہ داروں اور متعلقین کو زکوٰۃ دینا

۱- اپنی زکوٰۃ کا روپیہ اپنے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی پردادا وغیرہ کہ جن کی اولاد سے یہ خود ہے دینا درست نہیں۔ اسی طرح اپنی اولاد، پوتے پوتی، نواسے نواسی، وغیرہ کہ جو اس کی اولاد میں داخل ہیں ان کو دینے سے بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اسی طرح شوہر اور بیوی بھی ایک دوسرے کو اپنی زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ (ہدایہ ج اول)

۲- مذکورہ رشتہ داروں کے سوا اور سب کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ مثلاً بھائی، بہن، بھتیجا بھتیجی، بھانجا، بھانجی، چچا پھوپی، خالہ، ماموں، سوتیلی ماں، سوتیلا باپ، سوتیلا دادا، سوتیلی دادی، خسر ساس وغیرہ سب کو دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ مستحق زکوٰۃ ہوں۔ (شامی ج ۲)

۳- زکوٰۃ اور دوسرے صدقات و خیرات دینے میں سب سے زیادہ اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھنا چاہیئے اگر یہ غریب ہوں تو پہلے ان کو ہی دینا چاہیے۔ لیکن ان سے یہ نہ کہیں کہ یہ صدقہ یا زکوٰۃ کی چیز ہے۔ تاکہ انہیں شرمندگی نہ ہو۔ حدیث میں ہے کہ قرابت والوں کو خیرات و زکوٰۃ دینے سے دوگنا ثواب ملتا ہے۔ ایک ثواب تو خیرات کا، اور دوسرے اپنے عزیزوں کے

ساتھ حسن سلوک و احسان کا انہیں دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ اور لوگوں کو دیں۔ (عالمگیری)

۴۔ رضاعی بیٹا، بیٹی، اور رضاعی ماں باپ کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ (شامی جلد ۲)

۵۔ گھر یا دوکان وغیرہ کے ملازمین، دھوبی، ڈرائیور، دایا، آیا وغیرہ اگر غریب ہوں تو ان کو بھی زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ لیکن یہ ان کی تنخواہ میں نہ لگائیں۔ بلکہ تنخواہ اور مزدوری سے زائد بطور انعام کے دیں، اور دل میں زکوٰۃ دینے کی نیت کرلیں تو درست ہے۔ ورنہ نہیں۔ (عالمگیری)

۶۔ ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر میں بھیجنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر دوسرے شہر میں اُس کے رشتہ دار مستحق زکوٰۃ رہتے ہوں، یا یہاں کی بہ نسبت وہاں کے لوگ زیادہ ضرورت مند ہوں، تو ان کو بھیج دینا جائز ہے۔ اسی طرح اگر دوسرے شہر کے لوگ دین کے کام میں لگے ہیں مثلاً دینی مدارس کے طلباء یا دین دار علماء دین، یا مجاہدینِ اسلام ہوں اور وہ مستحق زکوٰۃ

؎ کوئی عورت اگر کسی دوسرے کے بچوں کو دودھ پلائے تو یہ بچے اُس عورت کے رضاعی بیٹے یا بیٹی کہلاتے ہیں اور وہ عورت اور اس کا شوہر ان بچوں کے رضاعی ماں باپ کہلاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

بھی ہوں تو ان کو بھی زکوٰۃ بھیجی جا سکتی ہے۔ بلکہ زیادہ ثواب ہے۔ (عالمگیری)

زکوٰۃ دینے میں غلطی ہو جائے تو اس کا حکم

۱۔ اگر کسی کو غریب و مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دیدی، پھر معلوم ہوا کہ وہ تو ذمّی کافر[عہ] ہے یا مال دار ہے، یا سیّد ہے، یا تاریک رات میں کسی کو دیدی۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کی ماں، باپ یا کوئی ایسا رشتہ دار ہے جس کو زکوٰۃ دینا اس کے لئے درست نہیں تو ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ دوبارہ دینا واجب نہیں۔ لیکن لینے والے کو اگر معلوم ہو جائے کہ زکوٰۃ کا روپیہ ہے اور میں زکوٰۃ لینے کا مستحق نہیں ہوں تو اُسے نہ لینا چاہیئے۔ اور واپس کر دینا چاہیئے۔ (درمختار مع شامی)

۲۔ اگر زکوٰۃ دینے کے بعد معلوم ہوا کہ جس کو دی ہے وہ غیر ذمّی کافر[عہ] ہے۔ تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ پھر ادا کریں۔

(درمختار و ہدایہ)

۳۔ اگر کسی کے بارے میں شک ہو کہ معلوم نہیں مالدار ہے یا نہیں

عہ ذمّی وہ کافر ہے جو دارالسلام کے شہری حقوق رکھتا ہو۔ اور غیر ذمّی وہ کافر ہے جو دارالاسلام کے شہری حقوق نہ رکھتا ہو۔ ۱۲ منہ

تو جب تک تحقیق نہ ہو جائے اُس وقت تک اُس کو زکوٰۃ نہ دیں۔ لیکن اگر بغیر تحقیق کئے اُسے دیدی تو اب اندازہ کریں، اگر غالب گمان یہ ہو کہ غریب ہے تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ مالدار ہے تو ادا نہیں ہوئی دوبارہ زکوٰۃ دیں۔ (شامی ج ۲)

۱۔ کسی عورت کا مہر نصاب زکوٰۃ کی برابر یا زائد ہے۔ اور یہ اُمید ہے کہ جب مہر طلب کرے گی شوہر بلا تأمل دیدے گا تو ایسی عورت کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ لیکن اگر اس کا شوہر اتنا غریب ہے کہ مہر ادا نہیں کر سکتا، یا مالدار تو ہے لیکن نہیں دیتا، تو ایسی عورت کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اسی طرح اگر اس نے مہر معاف کر دیا ہو تو پھر بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(در مختار ج ۲)

تنبیہ

عام طور سے لوگ صرف اُسی کو فقیر سمجھتے ہیں جو بھیک مانگتا ہو، حالانکہ بعض اوقات باعزت لوگ زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔

مگر شرم کی وجہ سے اپنی غربت نہ اپنے لباس سے ظاہر ہونے دیتے ہیں نہ زبان سے کہتے ہیں۔ دیکھنے سے بظاہر وہ غریب معلوم نہیں ہوتے بلکہ بعض اوقات تنخواہ دار ملازم بھی ہوتے ہیں۔ لیکن زیادہ عیال ہونے کی وجہ سے بہت تنگدست رہتے ہیں۔ اگر تحقیق سے کسی ایسے شخص کا علم ہوجائے تو اس کو غنیمت سمجھنا چاہیئے، ایسے لوگوں کو زکوٰۃ وخیرات دینا زیادہ باعث ثواب ہے۔ کیونکہ بھیک مانگنے والا تو کہیں اور سے بھی مانگ لے گا۔ لیکن یہ غریب شرم وخودداری کی وجہ سے کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔

زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ (عُشر) کا بیان

عُشر اور عشری زمین کی تعریف

جو زمین مسلمانوں نے کفار سے جنگ کر کے فتح کی ہو اور فتح کر کے مسلمانوں کے امیر نے وہ مسلمانوں میں تقسیم کردی ہو وہ زمین "عشری" کہلاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی جگہ کے کافر باشندے خود بخود ہی بغیر جنگ کے مشرف باسلام ہوگئے ہوں تو ان کی زمین بھی عشری کہلاتی ہے۔

لیکن اگر وہ زمین جنگ کر کے فتح نہیں کی گئی بلکہ بغیر جنگ کئے صرف صلح سے فتح ہوگئی۔ اور زمین ان کے کافر

مالکوں ہی کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی تو وہ زمین عشری نہیں۔
اسی طرح اگر وہ زمین جنگ کر کے فتح تو کی ہے لیکن مسلمانوں میں تقسیم نہیں کی گئی بلکہ وہیں کے کافر باشندوں کی ملکیت میں رہنے دی تو وہ زمین بھی عشری نہیں۔

(ہدایہ صفحہ ج ۲)

مسئلہ۔ اگر کسی کے آباؤ اجداد سے عشری زمین پشت در پشت چلی آتی ہو۔ یا کسی ایسے مسلمان سے اس نے خریدی ہو جس کے پاس اس کے آباؤ اجداد سے عشری زمین اسی طرح چلی آتی ہو تو ایسی زمین کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، اور اس زکوٰۃ کو عشر کہا جاتا ہے۔ (شامی صفحہ ۲)

مسئلہ۔ پاکستان میں جو ہندوؤں کی متروکہ زمینیں مہاجرین کو ان کے کلیم کے معاوضہ میں ملی ہیں یا کسی مہاجر کو یا کسی ادارہ کو حکومت پاکستان نے بلا معاوضہ ہی دیدی ہیں۔ یہ سب زمینیں عشری ہیں۔ اگر بارانی ہوں تو دسواں حصہ اور نہری یا چاہی ہوں تو بیسواں حصہ پیداوار کا صدقہ کرنا واجب ہے۔

مسئلہ۔ اگر عشری زمین کوئی کافر خرید لے تو وہ عشری نہیں رہتی۔ پھر اس سے اگر مسلمان خرید لے یا کسی اور طریقہ سے مسلمان کو مل جائے تب بھی وہ عشری نہ ہوگی۔ لہذا اس پر عشر بھی واجب نہ ہوگا۔ (در مختار ج ۲)

زکوۃ اور عُشر میں فرق

زکوۃ اور عشر کے احکام میں چھ اعتبار سے فرق ہے۔

(۱) عشر واجب ہونے میں کسی نصاب کی شرط نہیں چنانچہ پیداوار کم ہو یا زیادہ بہرحال اُس پر عشر فرض ہو گا۔ البتہ اگر پیداوار پونے دو سیر (نصف صاع) سے بھی کم ہو تو عشر فرض نہیں۔ (درمختار و شامی ج ۲)

(۲) عشر میں پیداوار پر ایک سال گذرنے کی بھی شرط نہیں، چنانچہ اگر کسی زمین میں سال میں دو مرتبہ فصل ہوتی ہے۔ یا کسی درخت پر سال میں دو مرتبہ پھل آتا ہے تو ہر مرتبہ کی پیداوار میں عُشر فرض ہو گا۔

(درمختار و شامی ج ۲)

(۳) عُشر فرض ہونے میں عاقل ہونے کی بھی شرط نہیں لہذا مجنون کے مال پر بھی عشر فرض ہوتا ہے۔

(درمختار و شامی ج ۲)

(۴) اس میں بالغ ہونے کی بھی شرط نہیں۔ چنانچہ نابالغ کے مال پر بھی عشر فرض ہے۔ (درمختار و شامی ج ۲)

(۵) عشر کے لئے آزاد ہونا بھی شرط نہیں۔ چنانچہ غلام کے مال پر بھی عشر فرض ہوتا ہے۔ (درمختار و شامی ج ۲)

(۶) زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں، چنانچہ اگر وقف زمین میں اہلِ وقف کاشت کریں تو اس پیداوار پر بھی عشر فرض ہوگا۔ اسی طرح اگر زمین کرایہ پر لے کر اس میں کاشت کریں تو اس پیداوار پر بھی عشر فرض ہوگا۔

(ہذا کلہ من ردالمحتار ص۵۵ ج۲)

کس قسم کی پیداوار پر عشر ہے اور کتنا؟

۱۔ زکوٰۃِ عشر صرف عشری زمینوں پر واجب ہے۔ دوسری قسم کی زمینیں جن کو خراجی کہا جاتا ہے، ان پر عشر واجب نہیں، بلکہ ان کا خراج وصول کرنا حکومت کا کام ہے (ہدایہ)

۲۔ خراجی زمینوں کی سرکاری مالگذاری جو حکومت وصول کرلیتی ہے اس سے خراج ادا ہوجاتا ہے۔ لیکن عشری زمینوں کی سرکاری مالگذاری ادا کرنے سے عشر ادا نہیں ہوتا۔ کیوں کہ حکومت نہ اس کو عشر کہہ کر وصول کرتی ہے نہ عشر کے مخصوص مصارف میں صرف کرنے کا وعدہ کرتی ہے، اس لئے مسلمانوں کو عشری زمینوں کا عشر سرکاری مالگذاری کے علاوہ ادا کرنا اور مصارف زکوٰۃ پر صرف کرنا ضروری ہے۔

۳۔ جو زمینیں بارانی ہیں یعنی صرف بارش کے پانی سے انہیں پیداوار ہوتی ہے نہر یا کنویں وغیرہ سے آب پاشی نہیں کیجاتی

اُن کی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ اس کی زکوٰۃ ہے جس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ اسی طرح ایسی زمینیں جنکی کھیتی کسی ندی نالے کے کنارہ پر کھڑی ہونے کی وجہ سے خود بخود زمین کے پانی سے سیراب ہو جاتی ہے جن کو عرف میں کھادر کی زمین کہتے ہیں ایسی زمینوں کا بھی وہی حکم ہے جو بارانی زمینوں کا یعنی پیداوار کا دسواں حصہ ان کی زکوٰۃ ہوتی ہے۔

(ہدایہ)

۴۔ اور نہری یا چاہی زمینیں جو سرکاری نہر کے پانی سے یا کنوئیں کے پانی سے سیراب کی جاتی ہیں۔ ان میں پیداوار کا بیسواں حصہ ان کی زکوٰۃ ہے جو حقیقت میں تو نصف عشر ہے، مگر اصطلاحاً اس کو بھی عشر کہدیا جاتا ہے (ہدایہ)

۵۔ باغات کے احکام بھی اس معاملہ میں وہی ہیں جو زرعی زمینوں کے اُوپر بتلائے گئے ہیں کہ بارانی زمین کے باغ کی پیداوار میں دسواں حصہ اور نہری یا چاہی باغ کی پیداوار میں بیسواں حصہ زکوٰۃ عشر کا واجب ہے۔ (عالمگیری)

۶۔ گنّا۔ پھل۔ ترکاری۔ اناج۔ پھول وغیرہ جو کچھ پیدا ہو سب کا یہی حکم ہے۔ (عالمگیری)

۷۔ جو زمین کسی کو ٹھیکہ یا مقاطعہ پر معینہ رقم کے معاوضہ میں دی گئی ہو اس کی پیداوار کا عشر ٹھیکہ دار کے ذمّہ ہے۔

مالک زمین کے ذمہ نہیں۔ اور جو بٹائی پر دی جائے اس کا عشر مالک زمین اور اُس کا شتکار۔ دونوں پر اپنے حصّہ پیداوار کے مطابق ہے۔

(از بہشتی زیور حکیم الامۃ تھانوی رح)

۸۔ عشری زمین یا پہاڑ یا جنگل سے اگر شہد نکالا تو اسمیں بھی عُشر (دسواں حصہ) دینا فرض ہے۔

(در مختار ج ۲)

۹۔ کسی نے اپنے گھر میں کوئی درخت یا ترکاری وغیرہ بوئی اور اس میں پھل وغیرہ آیا تو اس میں عشر فرض نہیں۔

(عالمگیری)

۱۰۔ جن لوگوں کو زکوۃ دینا جائز ہے انہی کو عشر دینا بھی جائز ہے۔ اور جنھیں زکوۃ نہیں دی جاسکتی اُنہیں عشر بھی نہیں دے سکتے۔

(در وشامی ج ۲)

۱۱۔ زکوۃ کی طرح عشر میں بھی اختیار ہے کہ چاہے بعینہٖ اُسی پیداوار میں سے یہ صدقہ نکال دیں اور چاہے اس صدقہ کی قیمت ادا کر دیں مثلاً کسی کی عشری زمین میں دس من گندم پیدا ہوا تو اُسے اختیار ہے کہ چاہے اس میں سے ایک من گندم دیدے یا ایک من گندم کی قیمت دیدے

بندہ۔ محمد رفیع عثمانی مدرس دار العلوم کراچی ۱۲ شعبان ۱۳۸۲ھ

علمی جواہر ریزے

از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

حصہ اول نثر جو علمی اخلاقی تاریخی ادبی فقہی چیدہ چیدہ عجیب و غریب اور دلچسپ مضامین متفرقہ کا بہترین علمی کشکول ہے جس میں سینکڑوں بزرگان سلف کے حالات و مقالات و کلمات حکمت درج ہیں اور جو ہر مذاق و مزاج کے انسانوں کے لئے نہایت دلچسپ مفید ترین معلومات کا خزانہ اور تنہائی میں دل بہلانے کا بہترین ذریعہ ہے یہ اُن نادر و نایاب مضامین کا مجموعہ جو سینکڑوں کتب کے ہزارہا صفحات کے مطالعہ کے بعد لکھے گئے ہیں۔

حصہ دوم نظم جسمیں حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کا اُردو و فارسی کلام جو مختلف اصناف سخن۔ نعت۔ نظم۔ غزل۔ رباعی۔ مسدس اور مراثی وغیرہ پر مشتمل ہے۔ مختلف عنوانات کے تحت درج کیا گیا ہے آخر میں مختلف شعراء کے منتخب متفرق اشعار دئے گئے ہیں بغرض اُردو زبان میں یہ کتاب اپنے طرز کی واحد کتاب ہے جو ہر انسان کے لئے تفریح طبع اور معلومات کے لئے لاجواب اور قابل مطالعہ ہے صفحات ۴۰

سائز ۲۰ × ۲۶ کتابت طباعت عمدہ مجلد مع گرد پوش قیمت ۷/۵۰

ادارۃ المعارف سبیلہ چوک کراچی ۵

قرآن میں نظامِ زکوٰۃ

از

معارف القرآن

مصنفہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

جس میں

زکوٰۃ کی حقیقت، تاریخ، اہمیت و فرضیت، موالِ زکوٰۃ، نصابِ زکوٰۃ، مقدارِ زکوٰۃ، نظامِ زکوٰۃ، مصارفِ زکوٰۃ، عاملین صدقہ مولفۃ القلوب اور فی سبیل اللہ کی بحث۔ تملیک کی شرط جن کاموں میں زکوٰۃ نہیں صرف ہو سکتی ان کا بیان

اور اس کے بعد عام مسائل زکوٰۃ۔ از تالیف مولانا محمد رفیع صاحب مفصل درج ہیں

ناشر

ادارۃ المعارف ۔ چوک سبیلہ ۔ کراچی نمبر ۵